ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

4 اپریل 2019ء — شعبان المعظم 1440ھ

عزم وہمت اور صبر واستقامت کے

89 سال

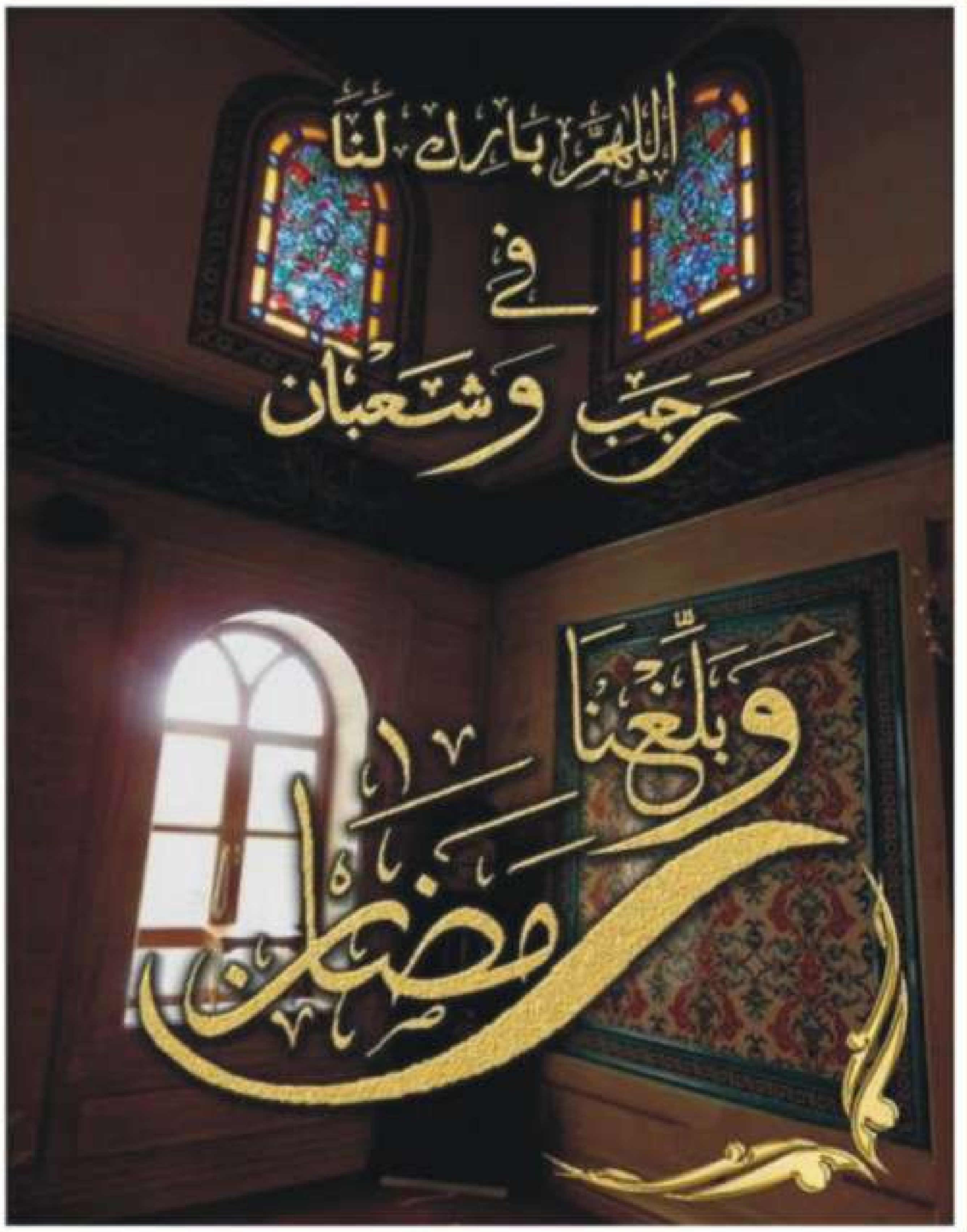

- حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی پر قاتلانہ حملہ
- ذکرو دعا کے باطنی پہلو (سیرتِ نبوی کی روشنی میں)
- رودادِ احرار طبّی امدادی کیمپ ملتان سنہ ۱۹۶۸ء
- تحریکِ نسواں کا تاریخی پس منظر
- ہماری ''بعض'' این جی اوز اور تبدیلی مذہب کا مسئلہ
- مردہ بدست زندہ

تعمیر جدید دار القرآن

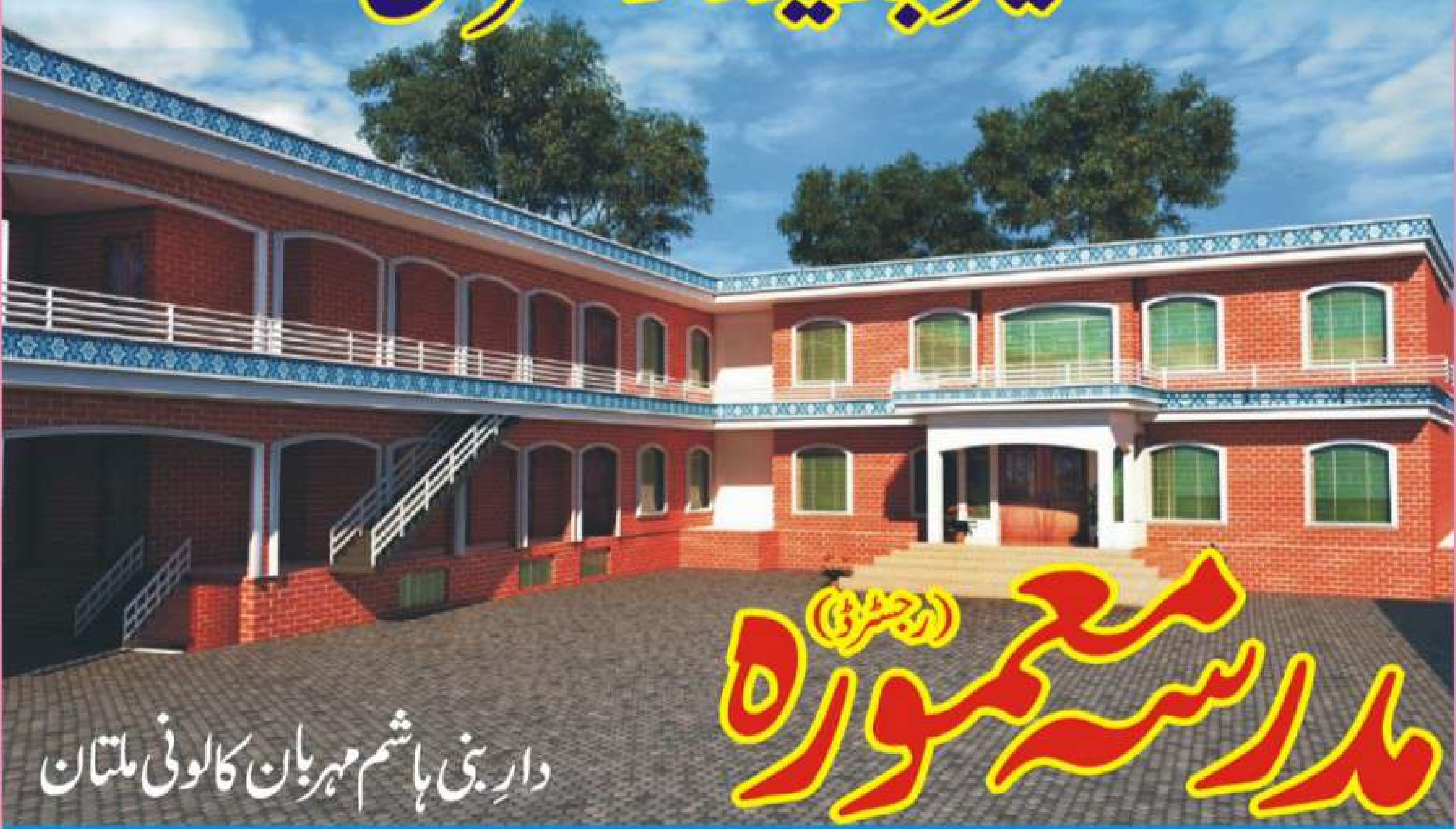

مدرسہ معمورہ (رجسٹرڈ)

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

تخمینہ لاگت ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے، بیسمنٹ، فرسٹ فلور، سیکنڈ فلور کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے

تزئین و آرائش، لکڑی کا کام اور لائبریری ہال میں کتابوں کے لیے الماریوں کا کام باقی ہے

شوال 1440 سے درجہ قرآن اور کتب میں درجہ خامسہ تک داخلے جاری ہیں

رابطہ برائے ترسیل زرتعاون: **سید محمد کفیل بخاری** (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 501003073620001O

Branch Code : 0729

THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 30 شمارہ 04 اپریل 2019/ شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

تشکیل

اداریہ:	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی پر قاتلانہ حملہ	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرہ:	شیخ نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ...... پیکرِ اخلاص ووفا	سید محمد کفیل بخاری	4
دین ودانش:	ذکرودعا کے باطنی پہلو (سیرتِ نبوی کی روشنی میں)	مولانا مفتی محمد عبداللہ شارق	5
//	جانشینِ مصطفی ﷺ اور اہلِ بیت مصطفی ﷺ	مولانا محمد یوسف شیخوپوری	12
//	مسلمانوں کی تباہی کے اسباب (قسط:۳)	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	17
//	خوش اخلاقی	شاہ بلیغ الدین رحمہ اللہ	23
افکار:	تحریکِ نسواں کا تاریخی پس منظر	مریم جمیلہ / مترجم: خالد امین	25
//	ہماری ’’بعض‘‘ این جی اوز اور تبدیلی مذہب کا مسئلہ	ابوبکر قدوسی	33
ادب:	نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	یوسف طاہر قریشی	35
//	حضرت عطاء المؤمن بخاری کے سانحہ وفات کے ایک برس بعد	پروفیسر خالد شبیر احمد	36
//	مردہ بدست زندہ	فرحت اللہ بیگ	37
آپ بیتی:	میرا افسانہ (قسط:۷)	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	41
تاریخ احرار:	رودادِ احرار طبی امدادی کیمپ ملتان سنہ ۱۹۶۸ء (قسط:۱)	محمود احمد ایم اے	49
حسنِ انتقاد:	تبصرہ کتب	اخلاق احمد	57
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	58
ترحیم:	مسافران آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی
ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رُفقائے فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید عطاء اللہ ثالث بخاری
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com
محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد
0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک ———— -/300 روپے
بیرون ملک ———— -/5000 روپے
فی شمارہ ———— -/30 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم، ڈی، اے چوک ملتان

Join Us
MajliseAhrar
MajliseAhrar
Ahrar.org.pk
MajliseAhrar

رابطہ
www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی پر قاتلانہ حملہ

سید محمد کفیل بخاری

22 مارچ کو عالمِ اسلام کی عظیم علمی شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم پر اس وقت قاتلانہ حملہ ہوا جب وہ مسجد بیت المکرّم میں نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ اس حملے میں مولانا کے دو محافظ شہید ہو گئے جبکہ ڈرائیور حبیب شدید زخمی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے مولانا محمد تقی عثمانی محفوظ رہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی عظیم علمی و روحانی شخصیت ہیں۔ وہ شریعت کورٹ کے جج اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے۔ اس وقت بھی عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب کے علماء نے اپنے اپنے اداروں میں انھیں رکنیت اور اہم مناصب دے رکھے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی پر قاتلانہ حملے نے ملک کے سکیورٹی اداروں کی کارکردگی پر کئی سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔

ملک میں قیامِ امن اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے نیشنل ایکشن پلان موجود و متحرک ہے، جبکہ اس کی مدت میں ایک بار توسیع ہو چکی ہے اور مزید توسیع کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں۔ مختلف سکیورٹی اداروں، انٹیلی جنس ایجنسیوں، پولیس اور دیگر انتظامی اداروں کی موجودگی اور قیامِ امن کے دعووں کے باوجود مولانا تقی عثمانی پر حملہ اداروں کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

وطنِ عزیز گزشتہ پچیس برسوں سے دہشت گردوں کے نرغے اور دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ خصوصاً دینی طبقہ نشانے پر ہے۔ صرف کراچی میں ہی درجنوں علماء کو شہید کر کے اپنا راستہ صاف کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ مولانا حبیب اللہ مختار، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مفتی محمد جمیل خان اور دیگر کئی علماء اور مذہبی کارکنوں کو شہید کرنے کے باوجود ظالم دہشت گردوں کا سینہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا۔

ہر قتل پر حکمران اور انتظامی افسران پہلے سے ہی لکھا ہوا ایک روایتی تعزیتی بیان جاری کر دیتے ہیں اور قاتلوں کو جلد گرفتار کرنے کی پیشگوئی کر کے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم قاتلوں تک پہنچ گئے ہیں...... جلد گرفتار کر لیں گے۔ گزشتہ سال حضرت مولانا سمیع الحق کو بے دردی سے شہید کیا گیا، تب بھی حکمرانوں کا یہی دعویٰ تھا، لیکن آج تک کسی کے قاتل

گرفتار ہوئے نہ انھیں سزا ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ تو خالصتاً ایک علمی شخصیت ہیں۔ کسی فرقہ وارانہ اور متشددانہ سرگرمی کا کبھی حصہ نہیں رہے۔ ایک ایسی معتدل شخصیت جس نے ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے لیے سوچا اور ملک وملّت کے لیے بہترین خدمات انجام دیں۔ ایسی شخصیت کو بھی نشانے پر رکھنا اور راستے سے ہٹانے کی مذموم کوشش کرنا یقیناً ایک گہری سازش ہے۔ اگر مولانا تقی عثمانی محفوظ نہیں تو پھر پاکستان میں کوئی دینی رہنما اور عالم محفوظ نہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے کمال حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''میں حملہ آوروں کی ہدایت کی دعا کرتا ہوں اور انھیں دین کی دعوت دیتا ہوں''

حکومتی اقدامات کی سابقہ تاریخ سے تو یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس حملے کے مجرموں کا بھی کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ جہاں سکیورٹی ادارے راؤ انوار جیسے وحشی درندے اور سی ٹی ڈی کے سفاک اہل کار پیدا کریں گے وہاں کسی مظلوم کو انصاف نہیں مل سکتا۔ راؤ انوار کا کوئی کچھ بگاڑ سکا، نہ سانحۂ ساہیوال کے مرتکب مجرم کیفرِ کردار کو پہنچے۔ بلکہ دونوں کو بچانے کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ حکمران ملک میں امن کے دعوے کر رہے ہیں اور سانحات اُن کے دعووں کو جھٹلا رہے ہیں۔ قوم کو انصاف ملا نہ امن نیشنل ایکشن پلان میں مزید توسیع کے لیے لابنگ ہو رہی ہے، سیاست دانوں پر دباؤ ڈالا جارہا ہے، انصاف کے دعوے کیے جارہے ہیں، دوسری طرف دہشت گردی کی یہ صورت حال ہے کہ الامان والحفیظ۔ یہی حال ملکی معیشت کا ہے۔ قرضے نہ لینے کا دعویٰ کرنے والے تین سوارب کا قرضہ لے چکے ہیں، مہنگائی عروج پر ہے، عوام کو مزید مہنگائی کی ''نویدِ مسرت'' سنائی جارہی ہے۔

بجلی وگیس اور پٹرول وتیل کے نرخ بڑھا کر غریب کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ چونکہ خوش قسمتی سے ہم بھی وطن عزیز کے شہری ہیں، حکمرانوں سے کچھ کہنے کا حق حکمران تو نہیں دیتے، لیکن آئین نے دیا ہے۔ وہی آئین جس میں جو کچھ موجود ہے، اسے آئین میں ہی قید کر دیا گیا ہے۔ ہم اسی آئین کی بحالی، احترام اور نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، اُن سے جو پارلیمنٹ میں بیٹھ کر آئین کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔

بات سیدھی ہے اگر مولانا تقی عثمانی جیسے امن پسند، امن کے پیغام، اتحاد و یکجہتی کے داعی و علم بردار کو زندگی کا تحفظ نہیں، جینے کا حق نہیں تو پھر حکمران انتظار کریں اس وقت کا، جب یہ حق ان کے پاس بھی نہیں رہے گا۔ خوفِ خدا کریں، ملک وقوم کے حال پر رحم کریں۔ دہشت گردوں، قاتلوں اور لٹیروں کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر حکومت چھوڑ دیں۔

شیخ نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ...... پیکرِ اخلاص و وفا

مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم، ایثار پیشہ اور مخلص و وفادار کارکن شیخ نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ 28 جمادی الثانی مطابق 6 مارچ 2019ء بروز بدھ، ملتان میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر کی نواحی بستی غزا میں حاجی سردار محمد مرحوم کے ہاں 1940ء میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہجرت کر کے ان کا خاندان ملتان میں آباد ہوا۔ آپ 6 بھائی اور 2 بہنیں تھیں۔ شیخ نذیر احمد رحمہ اللہ اکثر بتاتے کہ والد مرحوم نے قیامِ پاکستان سے قبل جالندھر میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر سنیں اور مجلس احرار اسلام کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ اسی لیے گھر میں اکثر حضرت امیر شریعت کے واقعات اور باتیں ہمیں سناتے۔

1962ء میں جنرل ایوب خان مرحوم نے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں ختم کیں تو مجلس احرار اسلام بھی بحال ہو گئی۔ انھی دنوں شیخ نذیر احمد رحمہ اللہ اور اُن کے برادری کے اکثر لوگ مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوئے۔ جانشین امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احیاءِ احرار، تنظیم و تشکیلِ احرار کا علم بلند کیا، تب وہی احرار کے روح و رواں تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ میں نے 1963ء-1964ء کے دور میں انھیں دیکھا۔ شیخ بشیر احمد نور محلی رحمہ اللہ اکثر ان کے ساتھ ہوتے، جو رشتے میں شیخ نذیر احمد کے ماموں تھے۔ یہ بڑی مثالی جوڑی تھی۔ احیاءِ احرار کی جدوجہد میں دونوں کارکنوں نے عظیم کردار ادا کیا۔ ایثار، اخلاص اور مہر و وفا کی لازوال تاریخ رقم کی۔ شیخ نذیر احمد تقریباً 40 سال مجلس احرار اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ اسی طرح شیخ بشیر احمد رحمہ اللہ (نور محلی) بھی۔ وہ طویل عرصہ مجلس احرار اسلام ملتان کے صدر بھی رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان میں شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا۔ جانشینِ امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے ان میں دینی شعور بیدار کیا۔ حلال و حرام کی تمیز اور بنیادی دینی عقائد و مسائل کا علم انھی کی صحبتوں اور تقاریر کا فیض تھا۔ اپنے اور اپنے خاندان کے تمام بچوں اور بچیوں کے نام صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھے۔ خاندان میں کسی بچے کی ولادت پر ایک دن حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے شاہ جی! بچے کے لیے کوئی نام بتا دیں۔ اب تو عشرہ مبشرہ اصحاب کے اسماء بھی مکمل ہو گئے ہیں۔ صحابہ و صحابیات کے اسماء کی ایک فہرست مجھے عنایت کر دیں۔

1962ء سے 1970ء تک ملتان میں حضرت ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہفتہ وار درس قرآن کریم میں باقاعدہ شرکت اور اس کا انتظام و انصرام اُن کا معمول تھا۔ وہ انتہائی بہادر، جری، بذلہ سنج اور خوش طبع انسان تھے، زندگی بھر کبھی مایوس ہوئے نہ کسی سے مرعوب۔ جماعت کے ہر مشکل وقت میں صفِ اوّل میں کھڑے رہے۔ اوّل و آخر سراپا احرار تھے۔ جماعت کے ساتھ تو اُن کا تعلق لازوال تھا ہی، وہ اپنے خاندان و برادری میں بھی ایک بزرگ و دانا کی حیثیت سے مانے جاتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ خاندان کی تیس سے زائد بچیوں کی شادی کر چکا ہوں اور اس خدمت کی توفیق محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ خاندانِ امیر شریعت کے ساتھ تعلق اور محبت میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ابناءِ امیر شریعت میں حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ اُن کے پیر و مرشد اور حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ جگری دوست تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمہ اللہ سے بھی خوب تعلق نبھایا۔ زندگی کے آخری برسوں میں قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم سے محبت و رفاقت کا حق ادا کیا۔ شدید علالت کے باوجود روزانہ دارِ بنی ہاشم میں اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے۔ جس دن نہ آتے، فون پر خیریت دریافت کرتے۔ جانبین کا یہی حال تھا۔ انتقال سے چار گھنٹے قبل بھی حضرت پیر جی مدظلہٗ نے فون پر خیریت پوچھی تو دعا کی درخواست کی۔ 7 مارچ کی صبح جامعہ قاسم العلوم میں وصیت کے مطابق مولانا سید عطاء المنان بخاری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حسن پروانہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ پسماندگان میں تین بیٹے، محمد معاویہ، محمد مغیرہ، محمد سیف اللہ، پانچ بیٹیاں اور تین بھائی شبیر احمد، رشید احمد اور منیر احمد سوگوار چھوڑے ہیں۔ عزیز محمد مغیرہ نے اُن کی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ جماعت اور خاندان کے لیے اُن کی خدمات اور قربانیاں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ احباب ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

ذکرودعا کے باطنی پہلو (سیرتِ نبوی کی روشنی میں)

مولانا مفتی محمد عبداللہ شارق

ایک خالی الذہن آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ایک بہت بڑا عنصر جو نظر آتا ہے، وہ ذکر اللہ، یادِ الٰہی اور خدامستی کا عنصر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات، آپ کی نشست و برخواست، آپ کی آمد و رفت، آپ کی دعوت، آپ کی تعلیم و تربیت، آپ کا جہاد، لوگوں سے میل ملاپ، سونا اور جاگنا، کھانا اور پینا، حوائج ضروریہ کی ادائیگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت اور خلوت، آپ کا چلنا اور رکنا، دیکھنا اور سننا..... غرضیکہ کوئی بھی عمل ذکر اللہ اور یادِ الٰہی کے عنصر سے خالی نہ تھا۔ ذکر اللہ اور یادِ الٰہی کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ آدمی ہر وقت ''تسبیح'' پھیرتا رہے، درحقیقت یہ ایک کیفیت ہے جو قلب پہ طاری ہوتی ہے اور انسان اللہ کے رنگ میں نہا جاتا ہے، پھر وہ آسمان کو دیکھتا ہے تو خدا یاد آتا ہے، برستی بارش، تپتی دھوپ اور بدلتے ہوئے ہر موسم میں اسے خدا کا نور نظر آتا ہے۔ نماز میں تو استحضار ہوتا ہی ہے، بیوی بچوں کے ساتھ خوش دلی کرتے ہوئے بھی اس کا دل غافل نہیں ہوتا بلکہ احساسِ تشکر کی ایک کیفیت دل پہ طاری ہوتی ہے اور بیوی بچوں کو خدا ہی کی ایک نعمت سمجھتے ہوئے ان کی قدردانی اور دل جوئی کرتا ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے ایسی وضع اور ہیئت اختیار کرتا ہے کہ جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے بیٹھ کر کھا رہا ہو، چلتا ہے تو قدم عاجزی سے اٹھتے ہیں اور نگاہیں نیچی ہوتی ہیں، اس کی ہر اداء میں بندگی اور خدا مستی کی ایک شان ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی کبھی تو بہ وندامت، کبھی توکل وتبتل، کبھی ہیبت ومرعوبیت، کبھی محبت وفدائیت، کبھی خوف وخشیت اور کبھی تشکر واحسان مندی کی مختلف شکلوں میں اس کے قلب پر طاری ہوتا رہتا ہے۔

ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت کیا ہے؟ اس کے لئے صرف دو تین حدیثوں کو سمجھ کر پڑھ لینا کافی ہے: ''کوئی ''بیٹھنا'' اور ''لیٹنا'' جب اس میں اللہ کی یاد نہ ہو تو وہ بیٹھنا اور لیٹنا خسارہ ونقصان کا باعث ہے۔'' (صحیح مسلم) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: ''لوگ جب کسی جگہ بیٹھیں اور اپنی اس نشست میں اللہ کا کوئی ذکر نہ کریں تو ان کی یہ مجلس مردہ گدھے کی طرح ہے اور ان کے لئے حسرت وارمان کا باعث بنے گی۔'' (ابوداود) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال میں سب سے افضل اور صدقہ وقتال سے بھی بڑھ کر ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ ''جی ضرور۔'' ارشاد فرمایا کہ ''وہ اللہ کی یاد ہے۔'' (جامع الترمذی) وجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ کا ذکر بذاتِ خود ایک مستقل عمل ہے، جبکہ صدقہ وقتال اپنی مقبولیت میں ذکر اللہ کے محتاج ہیں، یعنی اللہ کی یاد ہو اور اس کی رضا مطلوب ہو تو صدقہ وقتال کی قبولیت کے لئے یہ شرط ہے۔ قرآنِ مجید میں مومنوں کی یہ ایک مستقل صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ ''وہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے، گویا ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

دعاء بھی ذکر کا حصہ ہے اور ذکر کی ہی ایک شکل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مختلف اوقات میں موقع بہ موقع پڑھے جانے والے اذکار اور ادعیہ کا ایک بڑا خزانہ امت تک پہنچا ہے۔ ان اذکار اور دعاؤں کو یاد کرنا اور موقع بہ

موقع پڑھنا بڑی سعادت کی بات ہے اور ہم میں سے بہت سے لوگ یہ کرتے بھی ہیں۔ لیکن یہ دعائیں کس احساس اور اضطراب کے ساتھ پڑھنی چاہئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کون سے جذبات تھے جو ان دعاؤں کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہوئے، ان دعاؤں کو سمجھ کر پڑھنے سے ہم اپنے سیرت وکردار میں کیا مثبت تبدیلی لا سکتے ہیں، آیئے ہم ان پہلوؤں پر بھی تھوڑا غور کرلیں تا کہ ان دعاؤں کی صحیح قدر و قیمت کا ہمیں کچھ اندازہ ہو جائے۔

دعا کے معنی ہیں ''مانگنا'' اور مانگتا آدمی وہ چیز ہے جس کے حصول کی فکر اس کے سر پہ سوار ہو کہ یہ کسی بھی طرح مجھے حاصل ہو جائے۔ اس پہلو اور زاویہ سے اگر ماثور اذکار وادعیہ کو دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر مندی کیا تھی؟ آپ کی کڑھن اور تڑپ کیا ہوتی تھی؟ آپ کے دل میں کن چیزوں کی طلب، جستجو اور اشتہاء ہوتی تھی جن کے حصول اور بقاء کے لئے آپ نے دعائیں کیں۔ آپ کی اکثر دعائیں غالبا وہ ہیں کہ جن میں آپ نے اللہ سے اللہ کی محبت مانگی ہے، اس کی رضا مانگی ہے، اس کا خوف مانگا ہے، تعلق مع اللہ کے آداب اور قرینے مانگے ہیں، آخرت مانگی ہے، جنت مانگی ہے، جہنم، شیطان اور نفس سے پناہ مانگی ہے، اللہ کے احکامات کی پابندی مانگی ہے، یہ مانگا ہے کہ میرا شمار توابین، اہلِ طہارت اور اہلِ نجات میں ہو، اعضاء وجوارح کو نورِ ایمان اور نورِ ایقان عطا ہو اور آخرت کے مراحل آسان ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ماثور دعاؤں کی کوئی بھی کتاب اٹھا لیجئے اور ترجمہ کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے حضور کن چیزوں کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے اور کون سے افکار آپ کو مضطرب وپریشان رکھتے تھے؟ کیا وہی افکار مجھے بھی لاحق ہیں؟ کیا میں بھی انہی افکار میں دن اور رات غلطاں وپیچاں رہتا ہوں؟ ہم رٹو طوطوں کے اندر فکر مندیاں تو ساری کی ساری دنیا کی ہوتی ہیں یا پھر دین کے نام پر مسلکی نوعیت کے کچھ خودساختہ تنازعات ومفادات کی، لیکن ہاتھ اٹھا کر مانگتے وہ عربی دعائیں ہیں جو محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اخلاق کیا تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا اسوۂ واخلاق ''قرآنِ کریم'' تھا۔ (صحیح مسلم) ہم اس کو تھوڑا واضح کرتے ہیں۔ دیکھئے، قرآن کچھ چیزوں کو بیان کرتا ہے، بار بار کرتا ہے اور قرآنی آیات کی باقاعدہ تلاوت کا حکم دے کر ان چیزوں کو بار بار ہمارے کانوں میں ڈالنا چاہتا ہے، یعنی گویا ان چند چیزوں کے بارہ میں ہمارے اندر کل وقتی فکر مندی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اب قرآنی آیات کو دیکھئے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو دیکھئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن جن چیزوں کی چاہت وفکر مندی ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے اور جن کی فکر مندی پیدا کرنے پہ بہت زیادہ زور دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بعینہ اس فکر مندی کا آئینہ ہیں اور آپ کی دعائیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث یاد دلاتی ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خلق'' (اسوۂ واخلاق) قرآن تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جو ایک ایک امر کو بار بار بیان کرتا ہے، اس کی باتیں محض سن لینے اور گھس گھسائے انداز میں عمل کر لینے کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے ہیں کہ ان کی فکر مندی ہمارے سر پہ سوار ہو جائے، ان امور کی اشتہاء اور جستجو ہمارے اندر پیدا ہو جائے، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو مانگنے کو پہلے پہلے یہی چیزیں یاد آجائیں اور ہم لفظ بدل بدل کر خدا سے وہ چیزیں مانگیں اور

مانگتے رہیں۔ نبوی دعاؤں کو یاد کرتے ہوئے، ان دعاؤں میں مانگی گئی چیزوں کے حصول کے لئے فکر مندی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش بھی ہم کرلیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نبوی دعاؤں کی قدر و قیمت کو کچھ کچھ سمجھنے لگے ہیں۔

قرآنِ کریم میں بھی دعاؤں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے، یہ بھی دراصل ہمارے افکار کو فکر مندی کا یہی خاص رخ دیتی ہیں۔ مثلاً ایک مثال پہ غور کیجئے، اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں سیدنا ابرہیم علیہ السلام کی ایک دعا نقل فرمائی ہے: ''رب اجعلني مقيم الصلوة ومن ذريتي ربنا وتقبل دعاء'' (اے پرودگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والا بنا دیجئے۔) اس دعا کی شکل میں گویا اللہ تعالی نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی فکر مندی کے بارہ میں یاد دہانی کرائی ہے کہ ان جیسا عظیم اور مقبول بندہ بھی نماز پڑھنے کے باوجود اس کی اصلاح اور اس پہ استقامت کے لئے فکر مند رہتا تھا۔ کیا ہمارے اندر بھی اپنی نماز کے لئے اتنی فکر مندی ہے یا خود کو نمازی سمجھنے کے زعم میں مبتلا ہیں؟ اسی طرح قرآن ہی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا بیان فرمائی گئی ہے جو انہوں نے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کرنے کے بعد کی: ''ربنا تقبل منا '' (اے پروردگار! ہمارے اس عمل کو قبول کرلیجئے۔) یہ دعا بتلاتی ہے کہ اللہ کے مقبول بندے عمل کرکے بھی اس کی قبولیت کے لئے فکر مند ہوتے تھے۔ انہی دو بزرگوں کی ایک اور دعا قرآن میں مذکور ہے: ''ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك وارنا مناسكنا وتب علينا '' (اے پروردگار! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا دیجئے، ہماری اولادوں میں اپنا فرماں بردار گروہ پیدا کیجئے، ہمیں اپنی پرستش کے قرینے سکھا دیجئے اور ہمارے اوپر نگاہِ رحمت ڈال دیجئے۔) ہم دیکھیں کہ ان بزرگ انبیاء کی فکر مندیاں کیا تھیں اور ہمارے دماغوں میں کن فکر مندیوں نے جالے بنا رکھے ہیں؟ ہمیں ایک تو دنیاوی تفکرات لاحق ہیں اور دوسری طرف کچھ خود ساختہ ''دینی تفکرات'' نے ہمیں گھیر رکھا ہوتا ہے، کیا ہم خود کو ان تفکرات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے تیار ہیں جن کے سانچے میں اگر انسان ڈھل جائے تو اس پہ ''صبغة الله'' (اللہ کا رنگ) چڑھ جاتا ہے؟

یہ تو رہا ماثور دعاؤں کا ایک پہلو، ایک اور پہلو پہ غور کیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول موقع بہ موقع جاگنے سے پہلے، جاگنے کے بعد، سفر سے پہلے، سفر کے بعد، گھر سے نکلتے ہوئے، گھر میں داخل ہوتے ہوئے، اترائی میں چلتے ہوئے، بلندی کی طرف چڑھتے ہوئے، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد، کپڑے پہنتے ہوئے، نیا لباس پہنتے ہوئے، کسی کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر، کپڑے اتارنے سے پہلے، قضائے حاجت سے پہلے، قضائے حاجت کے بعد، وضو سے پہلے، وضو کے بعد، مسجد کی طرف جاتے ہوئے، مسجد میں داخل ہوتے ہوئے، مسجد سے نکلتے ہوئے، صبح روشن ہونے پر، شام کے ڈھلنے پر، نیند میں پہلو بدلنے پر، کسی سے تعزیت کرتے ہوئے، بیماری کی حالت میں، قبرستان کا سامنا ہونے پر، میت کو دفن کرتے ہوئے، ہوا کے چلنے پر، نئے چاند کو دیکھنے پر، روزہ کھولتے وقت، کسی کا مہمان بننے پر، نئے موسم کا پھل دیکھنے پر، چھینک آنے پر، نئے شادی شدہ آدمی کو دیکھنے پر، جنسی اختلاط سے پہلے، غصہ آنے پر، مصیبت زدہ کو دیکھنے پر، کسی مجلس میں بیٹھنے پر، مجلس کے اختتام پر، سواری پر سوار ہوتے وقت، کسی بستی میں داخل ہوتے ہوئے، بازار میں داخل ہونے پر، سواری کے گرنے پر، خوشی کے آنے پر، مرغ کی ''بانگ'' سننے پر، یا گدھے کے ہینگنے، کتوں کے بھونکنے اور معاصی

ومصائب کی مختلف شکلیں یاد آنے پر ان سے پناہ کے لئے مانگی گئی ساری کی ساری دعائیں، تسبیحات اور تکبیرات یہ بتاتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے، آپ کے قلبِ مبارک پر ذکر کی ایک دائمی کیفیت طاری رہتی تھی، کسی چیز کا دیکھنا آپ کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرسکتا تھا، اترائی میں اترتے ہوئے سبحان اللہ اور چڑھائی چڑھتے ہوئے اللہ اکبر گویا یوں ہے کہ اترائی میں اترتے ہوئے آپ کی نگاہ اس کی طرف چلی گئی جو ہر قسم کی پستی اور اترائی سے پاک ہے اور بے اختیار آپ کی زبان پر سبحان اللہ کا کلمہ جاری ہوگیا کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اسی طرح اونچائی کی طرف جاتے ہوئے گویا آپ کی توجہ بے اختیار اس کی طرف چلی گئی جو ہر اونچائی سے اونچا ہے اور آپ کی زبان پر ''اللہ اکبر'' کا کلمہ جاری ہوگیا۔ باقی دعاؤں کا معاملہ بھی تقریباً ایسا ہی ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ آپ کا ذکر آپ کو اِدھر اُدھر دیکھنے سے روک دیتا تھا، نہیں، بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا کہ کوئی بھی موقع اور کسی بھی چیز کا دیکھنا بذاتِ خود یادِ الٰہی کا موجب بن جاتا تھا اور آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا تھا، یوں آپ ہر موقع کی مناسبت سے دعا کرنے کے ساتھ اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ اب ہم بھی سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے ہوئے سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھتے رہتے ہیں، لیکن کتنے ہیں جو ان کی معنویت پر غور کرتے ہیں اور سیرتِ نبوی کی روشنی میں خود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اتباع اور ہر معاملہ میں خود کو توجہ الی اللہ کا خوگر بنانے کی سعی وفکر کرتے ہیں؟

ہمارا معاملہ یہ ہے کہ نماز میں بھی اللہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ خیال کیجئے، ماثور دعائیں اس لیے نہیں کہ ہم محض رٹو طوطے بن کر ان کو یاد کرلیں اگرچہ اس قدر بھی برکت سے خالی نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔ تاہم ان کی اصل روح پر بھی غور کیجئے جو یہ ہے کہ ہم اپنے قلب کو توجہ الی اللہ کا خوگر بنائیں اور ہمارا دل ہر آن اپنے خالق کے ساتھ متصل اور اس کی یاد سے سرشار ہو۔ ان دعاؤں کی اصل قدر دانی یہی ہے کہ ہم ان کے ذریعہ اپنے قلب کو توجہ الی اللہ کا عادی بنائیں۔ یہ دولت پانے کے لیے اپنے نفس کی نافرمانی کرنی پڑے گی اور اپنی سوچوں پر پہرہ بٹھانا پڑے گا، جب تک کہ وہ اطاعت پر مائل نہیں ہوجاتے۔ موقع بہ موقع کی یہ مسنون تسبیحات، تکبیرات اور دعائیں محض کہہ لینے کی باتیں نہیں، ان کا اصل مزا تب ہے کہ جب یہ دل کی صدا بن جائیں اور ہماری نگاہ چیزوں اور موقعوں کو اسی زاویہ سے دیکھنے کی عادی بن جائے جس کی طرف یہ دعائیں ہماری راہ نمائی کرتی ہیں۔ ان دعاؤں کو سمجھ کر پڑھنا انسان کو شہود وحضور کی کیفیت سے آشنا کرتا ہے، قلب ونظر کو ''حنیف'' بناتا ہے اور بارگاہِ ایزدی کی یکسوئی انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

نبوی دعاؤں کے اگر اس پہلو پر غور کیا جائے کہ یہ انسان کو کثرتِ ذکر کی راہ پر ڈالتی ہیں اور کسی حال میں انسان کو اپنے خالق سے غافل نہیں ہونی دیتیں تو گذشتہ پہلو کی طرح اس حوالہ سے بھی نبوی دعائیں دراصل قرآنی تعلیمات کا پرتو نظر آتی ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کو یاد دلاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور نظام العمل قرآن تھا کیونکہ قرآن ہی کی تعلیم ہے کہ ''اللہ کو کثرت سے یاد کرو'' جبکہ ایک دوسری جگہ اسے اہل ایمان کی صفت بتایا کہ وہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا انسان کو ''کندن'' بنا دیتا ہے، اس کے ذریعہ سے انسان کا اپنے رب سے ایک خصوصی تعلق قائم ہوجاتا ہے، گناہوں سے طبیعت نفور ہونے لگتی ہے اور ان سے بچنے کا ایک خودکار

داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔'' ہم لوگ اس پر حیران ہوتے ہیں کہ کیا نماز واقعی انسان کو برے کاموں سے روک سکتی ہے؟ اللہ تعالی نے اس فرمان کے فورا بعد گویا ہماری اسی حیرت کا ازالہ کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ ''ولذکر اللہ اکبر'' یعنی تمھیں نماز کی اتنی سی افادیت پر حیرت نہیں ہونی چاہئے، اللہ کا ذکر اور اللہ کی یاد اس سے بھی بڑی شان رکھتی ہے، یہ حقیقی کیمیاگر ہے جو خاکی انسان کو نورانی انسان بنا دیتی ہے۔ گویا اصل چیز اللہ کا ذکر ہے، اگر ہماری نماز یادِ الٰہی سے خالی ہے تو پھر ہمیں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ ہماری نماز ہمیں برے کاموں سے روکتی کیوں نہیں؟

ماثور دعاؤں کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں بے پناہ جامعیت پائی جاتی ہے، اتنی کہ شاید ہمارے الفاظ میں کبھی بھی اتنی جامعیت پیدا نہ ہو سکے۔ ہم ایک مثال پر غور کرتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ کسی کو اپنے نکاح کے لیے رشتہ کی تلاش ہے اور اس سلسلہ میں وہ اللہ سے دعا مانگنا چاہتا ہے کہ میری بیوی ایسی اور ویسی ہو تو وہ کیا کہے گا؟

- اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میری بیوی خوب صورت ہو تو یہ ایک ناقص بات ہے، یہ عین ممکن ہے کہ بیوی خوب صورت ہو کر بھی اس کے لیے اچھی ثابت نہ ہو اور اسے ہر وقت ستاتی رہے۔ ایسی صورت میں اس کی خوب صورتی کا اسے کیا فائدہ ہوگا؟

- اگر یہ کہتا ہے کہ وہ مالدار یا اونچے خاندان کی ہو تو یہ بھی کافی نہیں کیونکہ بیوی اگر مالدار اور بڑے گھرانے سے آئے تو ہرگز ضروری نہیں کہ شوہر کے لیے بھی خوشیاں ہی لے کر آئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان کے درمیان اچھا نباہ نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں اس کی مالداری اور شریف النسل ہونے سے اس کی ذات کو کیا فائدہ پہنچے گا؟

- اگر یہ کہتا ہے کہ وہ صالح، نیک سیرت اور میری فرماں بردار ہو تو اگرچہ یہ دعا بڑی خوب صورت ہے، مگر اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ ان کے مابین نباہ بھی اچھے طریقے سے ہو سکے۔ یہ عین ممکن ہے کہ وہ تو نیک سیرت ہو لیکن یہ شوہر خود اپنی کم ظرفی اور بدمزاجی کی وجہ سے اس کی ٹھیک طرح قدردانی نہ کر پائے اور یوں ان کا باہمی رشتہ خوشیوں سے خالی رہے۔ ایسی صورت میں بیوی نیک سیرت ہونے کے باوجود اس کا گھرانہ خوش حال نہیں ہوگا۔ ہم ناقص لوگوں کے ساتھ بعض دفعہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ ہم اللہ سے نیک رشتے تو مانگتے ہیں، مگر خود اپنے آپ کو نیک بنانے کی فکر نہیں کرتے جس کی وجہ سے اگر نیک رشتہ مل بھی جائے تو اس کی ٹھیک سے قدر نہیں کر پاتے۔

- اگر یہ کہتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کریں اور ہمارا نباہ عمدہ طریقے سے ہو جائے تو ہماری نظر میں یہ الفاظ بھی کافی وافی نہیں۔ ایک مومن کی نگاہ میں رہنے کا جہان صرف یہ نہیں، بلکہ اصل جہان کے مقابلہ میں تو یہ کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ دنیا میں ان کا نباہ اچھے اور عمدہ طریقے سے ہو جائے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے خوش رہیں، مگر آنے والی بیوی کی وجہ سے اس کی آخرت برباد ہو جائے اور وہ نیکیوں کے راستہ میں اس کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ ایسی صورت میں اگر آخرت کو کھو کر اس نے دنیا پا بھی لی تو ذرا سوچئے کہ ''کیا'' پایا؟

اب ذرا دیکھئے کہ اس مقصد کے لیے پروردگار نے بھی قرآن میں اپنے بندوں کو ایک دعا سکھائی ہے۔ وہ دعا یہ ہے کہ ''ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرة اعین'' (اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ بیویاں اور اولادیں عطا کیجئے جو

ہمارے لیے ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ہوں۔) ذراغور کیجئے کہ کیسا بلیغ لفظ استعمال کیا گیا ہے، ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' میں آخر کیا کیا نہیں آجاتا؟ اس چھوٹی سی دعا میں گویا مانگنے والے نے بیوی کی صفات ازخود بیان کرنے کی بجائے یہ معاملہ خدا کے سپرد کردیا ہے اور اس سے صرف یہ مانگا ہے کہ بیوی وہ عطا کر جو میرے لیے ذریعہ راحت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پروردگار جانتا ہے کہ میرے اس بندے کو کن کن چیزوں کی ضرورت اور حاجت ہے اور وہ ہمارے مزاج کی نزاکتوں سے بھی واقف ہے۔ اگر ہم غریب ہیں اور مال کے حاجت مند ہیں، اگر میرا مزاج حسن کا غیر معمولی شوقین ہے اور حسن کے بغیر بیوی خالی خالی محسوس ہوگی، یا وہ کون کون سے لوازمات ہیں جو اس مانگنے والے کے مزاج کو فرحت بخشنے کے لیے درکار ہیں، پروردگار ان سب کو جانتا ہے اور وہ ساری چیزیں اس ایک لفظ میں آگئی ہیں، بشمول نیک سیرتی اور صلاح وتقوی کے کیونکہ جو بیوی دنیا کے اندر نیکیوں کی راہ میں رکاوٹ بنے گی، وہ آخرت میں ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کیسے بنے گی؟۔

توجہ کیجئے، ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ پروردگار سے دعا مانگتے ہوئے ہمیں کوئی بہت ہی منطقی، کامل اور فلسفیانہ قسم کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں ورنہ ہمارے الفاظ محدود ہونے کی وجہ سے دعا کے نتیجہ میں ہمیں ملنے والی خوشیاں بھی ناقص رہ جائیں گی، نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی ذات بے انتہاء مہربان ہے اور وہ سینہ میں چھپی چاہتوں سے بھی واقف ہے۔ اگر اللہ ہم سے ناراض نہیں اور ہم مقدور بھر عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے اپنی التجاء پیش کررہے ہیں تو بے شک وہ ارحم الراحمین ہے، اس کی ذات اس سے بڑی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ الفاظ کی ''آنکھ مچولی'' کھیلے، وہ جانتا ہے کہ ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے اور ہم کیا مانگنا چاہتے ہیں، اس لیے آدمی پر امید رہے کہ میرے الفاظ ناقص ہونے کے باوجود میرا مالک میری ضرورت اور حاجت کو مجھ سے بڑھ کر سمجھ رہا ہے اور وہ اپنی رحمت کے ساتھ میری پوری پوری حاجت روائی فرمائے گا۔

گذشتہ سطور میں جامعیت کی جو بات کی گئی ہے، وہ محض اس تناظر میں ہے کہ اگر ہم جامع ترین الفاظ میں اپنے پروردگار کے آگے اپنی التجاء رکھنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ میں بھی ہماری مدد کے لیے ماثور دعائیں موجود ہیں۔

ماثور دعاؤں کی ایک اور باطنی تاثیر وبرکت یہ ہے کہ انسان کو خوش حالی میں بھی دعا مانگنا آجاتا ہے، ورنہ ہم جیسے ناقص اور گنہ گار لوگوں کو دعا تب ہی یاد آتی ہے کہ جب خوش حالی نہ رہے اور ہر طرف سے مصیبتوں میں گھر جائیں، بلکہ اس وقت کہ جب ہر طرف سے پھر مایوسی بھی ہوجائے۔ کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر اپنی حالت پر شکر گذار ہونا، اس مصیبت سے اپنے لیے عافیت مانگنا، قسم وقسم کے معاصی اور مصائب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ان سے پناہ چاہنا، نیکی کرکے بھی اس پر استقامت اور اس کی قبولیت کے لیے فکرمند رہنا اور اللہ سے ہر حال میں دعا کرتے رہنا یہ ماثور دعاؤں نے ہی سکھایا ہے اور یہ ابتلاء آنے سے پہلے اس کے لیے دعا مانگنے کی شکلیں ہیں۔ خوشحالی میں ہی بدحالی سے بچنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی گئی ایک دعا پر غور کریں: ''اللھم انی اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاة نقمتك وجميع سخطك'' (اے اللہ! میں آپ کی حفاظت چاہتا ہوں اس بات سے کہ تیری نعمتیں مجھ سے رخ موڑ جائیں، تیری عطا کردہ عافیت مصیبت میں بدل جائے، یا میرے گناہوں کی وجہ سے تیری طرف سے کوئی اچانک سزا نازل ہو جائے، میں تیری ناراضگی کی سب ہی شکلوں سے تیری ہی پناہ اور حفاظت چاہتا ہوں۔)

جب کسی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو اپنا منہ اور اپنا رخ بھی اُدھر کو کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ کے ساتھ ہمارا معاملہ عجیب ہے کہ معاذ اللہ اس کی طرف پشت کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔ دن رات اللہ کی نافرمانی کرنا، اس کو اور اس کے احکام کو معاذ اللہ خفیف سمجھنا، ذکر میں توجہ کا نہ ہونا اور دعا مانگتے ہوئے بھی سوچ کا اِدھر اُدھر بھٹکتے رہنا، کیا یہ پشت کرنے کے مترادف نہیں؟ ہزار ہا نعمتوں کو یاد کر کے کبھی بھی دل میں شکر کرنے کا خیال نہیں آتا، لیکن اگر سردی گرمی تھوڑی سی زیادہ ہو جائے تو ناشکری کے بول فوراً زبان پر لپکنے لگتے ہیں، ایسا شرم ناک کردار اپنا کر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں ایسے ہی قبول ہوں جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء کی دعائیں قبول ہوتی تھیں یا پھر ان سے بھی کچھ زیادہ۔ ماثور دعائیں ہمیں خدا مستی اور عاجزی کے قرینے سکھاتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ اپنے پروردگار کے ساتھ ہم گنہ گاروں کے معاملہ کی نزاکتیں کیا کیا ہیں؟ وہ کتنا عظیم ہے اور ہم کتنے حقیر، وہ کتنا رحیم ہے اور ہم کتنے حق ناشناس، وہ کتنا سخی ہے اور ہم کتنے کم ظرف، وہ کتنا معاف کرنے والا ہے اور ہم کتنے ناقص!

ماثور دعاؤں کی ایک اور ان مول خوبی یہ ہے کہ یہ وہ دعائیں ہیں جنہوں نے قبولیت کے راستے ''دیکھے'' ہوئے ہیں، اسی نیت سے اگر حصولِ برکت کی خاطر ہم بھی یہی دعائیں یاد کریں اور انہی کے الفاظ میں اپنی التجاء پیش کریں تو کیا خبر کہ ہمارے حق میں بھی یہ دعائیں قبولیت سے سرفراز ہو جائیں۔ لیکن اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم یہ دعائیں فقط ''پڑھ'' دیتے ہیں، حالانکہ دعائیں ''پڑھنے'' کے لیے نہیں، ''مانگنے'' کے لیے ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کے الفاظ پڑھتے ہوئے ان کے ترجمہ اور مفہوم پر نظر ہونی چاہئے۔

ماثور دعائیں ایک تو یہ سبق دیتی ہیں کہ انسان کی فکرمندی کا اصل رخ آخرت کی طرف ہونا چاہئے، دوسری طرف یہ درس دیتی ہیں کہ مومن کو اپنی دنیاوی حاجات کے لیے بھی اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اس کی پہلی نگاہ اللہ کی طرف ہی اٹھنی چاہئے جس کے دست قدرت میں سب فیصلوں اور خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ ایک روایت ہے کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب سے مانگو! یہ گفتگو ہم ایک جملہ پر ختم کرتے ہیں جو موبائل پر ایک میسج کے ذریعہ موصول ہوا ہے اور دعا سے ہی متعلق ہے۔ جملہ ہے: ''خدا سے اپنی چاہت کم اور اپنے حق میں بہتری زیادہ مانگ، ہوسکتا ہے کہ تیری چاہت بہت تھوڑی اور تمہیں بہتری کی بہت زیادہ ضرورت ہو۔'' اگر غور کیجئے تو ماثور دعائیں اس پہلو سے بھی ہماری راہ نمائی کا عظیم سامان فراہم کرتی ہیں۔ دعا ہے کہ پروردگار ہمارے ہر معاملہ میں بہتری کا فیصلہ فرما دے۔ آمین! ہو سکے تو آپ اس گنہ گار کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد کرلیں۔ والحمد للہ رب العلمین!

جانشینِ مصطفیٰ ﷺ اور اہلِ بیتِ مصطفیٰ ﷺ

مولانا محمد یوسف شیخوپوری

تاریخ اسلام کے مسلّمات میں سے ہے کہ جب بھی قبولیتِ اسلام میں تقدّم، اوصافِ حمیدہ اور مکارمِ اخلاق میں شرف افضلیت اور کمالاتِ نبوّت میں کامل عکس و مشابہت کا سوال کیا جائے تو فوراً خلیفہ بلافصل، امام الصحابہ، تاجدار صدق و وفا، یارِ غار و مزار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام زبانوں پہ جاری ہو جاتا ہے، جو بالاتفاق افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حق رفاقت آپ نے ادا کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، جو ہمیشہ عُشّاقِ رسالت کے لیے روشنیوں کا مینارہ اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہے۔

مشہور مقولہ ہے کہ ''دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے''۔ اپنے پاک محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح آپ کے گھرانے اہلِ بیتِ نبوّت کے ساتھ بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بے مثال پیار، جانبین سے اعتماد، محبت اور اخوت و ایثار کا محکم رشتہ قائم تھا۔ چند ایک مؤیّدات پیشِ خدمت ہیں۔ جن میں غور کرنے سے آپ کی اہلِ بیت نبوت کے ساتھ اور ان کی آپ کے ساتھ محبت کی شعائیں پھوٹتی دکھائی دیتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات طیّبات میں آخری اور چوتھی بیٹی، خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تیار کرنے والے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر حاضر ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسبت کی بات کرنے والے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے رخصتی کے وقت سامانِ جہیز مثلاً قمیص، اوڑھنی، چادر، چارپائی، گدے، کپڑا، مشکیزہ، لکڑی کا پیالہ اور گھڑا وغیرہ خریدنے اور پھر اپنے کندھوں پر رکھ کر درِ نبوّت میں حاضر ہونے والے جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وحی الٰہی کے مطابق خطبہ نکاح پڑھا تو گواہوں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ جناب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ سیدہ فاطمہؓ بنت اسد، جنھوں نے اسلام بھی قبول کیا اور ہجرت بھی کی تھی، مدینہ طیبہ میں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اس صدمہ میں برابر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے خلفاءؓ کی طرح شریکِ غم تھے، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کی اور لحد میں اتارنے لگے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ مل کر لحد میں اتارا۔ (کشف الغُمّہ۔ مجمع الزوائد)

دورِ خلافت میں اہلِ بیت سے سلوک:

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں دیکھیں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب رشتہ داروں کے تمام مالی حقوق اور مراعات کی ادائیگی کو کما حقہٗ ملحوظ خاطر رکھا، جو آپ کے کمالِ خلوص اور محبت، ہمدردی کا بیّن ثبوت ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ سے مالی حقوق کی بات کی گئی تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا:

'' وَاللّٰهِ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ اَصل مِنْ قَرَابَتِیْ '' (بخاری)

ترجمہ: اللہ کی قسم! حضور علیہ السلام کی رشتہ داری وقرابت مجھے اپنے رشتہ داری سے زیادہ محبوب اور مقدم ہے۔

پھر اہلِ بیت کو اموالِ مدینہ، فدک اور خیبر کے خُمس میں سے ان کا حق دورِ نبوی کی طرح برابر ملتا رہا، البتہ تقسیم بطور میراث کے فرمانِ نبوت کی وجہ سے جاری نہیں فرمائی۔

حضور علیہ السلام کے خاندان و ہاشمی بزرگوں کے ساتھ کامل حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کو اپنوں سے زیادہ قدر دانی کے ساتھ نبھایا، جس کی گواہی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں'' حضور علیہ السلام نے حصہ خُمس میں تقسیم کار کے لیے مجھے اس کا متولی بنا رکھا تھی، پھر آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت صدیقؓ نے مجھے اس خُمس کی تقسیم کا والی بنایا تو میں صدیقی دورِ خلافت میں بھی اس کو بنی ہاشم میں تقسیم کرتا رہا۔

وَلَّانِيْهِ اَبُوْبَكْرٍ فَقَسَمْتُهُ فِیْ حَيَاتِهٖ (منداحمد، کتاب الخراج)۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ تقسیم خود علی المرتضٰی کے ہاتھوں کروائی تا کہ کسی دوسرے کو زیادتی یا حقوق کے غصب و ناانصافی کا گمان ہی نہ رہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

اس حسنِ سلوک کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حضرات، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خوش تھے، چنانچہ مسنداتِ فاطمہؓ میں امام احمدؒ نے اپنی مسند سے نقل کیا ہے:

'' دَخَلَتْ فَاطِمَةُ عَلٰى اَبِیْ بَكْرٍ فَقَالَتْ اَخْبَرَنِیْ رَسُوْل ﷺ اِنِّیْ اَوَّلُ اَهْلِهٖ لُحُوْقًا بِهٖ ''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عام گفتگو ہی نہیں بلکہ بطور پیشینگوئی ارشاد فرمائی ہوئی راز دارانہ بات محبت بھرے انداز میں اپنے محبوب کے محبوب کو سنائی، جس دوسرے محبوب (صدیق اکبرؓ) پر اعتماد اور اُنس و محبت سمجھ آتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پُرملال کے چھ ماہ بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، انتقال سے قبل ایّام بیماری میں مکمل تیمار داری کرنے والی سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ، حضرت اسماء بنت عمیس ہیں، خود سیدنا صدیقؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ تشریف لاتے اور تیمار داری فرماتے۔

بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لے گئے اور اجازت طلب کی، پھر اندر گئے اور کلام کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کی قسم! خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی کی خاطر اور تمھاری خوشنودی کے لیے ہم نے اپنا گھر بار، مال، دولت اور رشتہ داروں کو چھوڑا، اس طرح کا کلام جاری تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں۔

'' فَدَخَلَ (ابوبکر) عَلَيْهَا وَ قَالَ مَا تَرَكْتُ الدَّارَ وَالْمَالَ وَالْاَهْلَ وَ الْعَشِيْرَةَ اِلَّا ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَ مَرْضَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ مَرْضَاتِكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ثُمَّ تَرْضَّاهَا حَتّٰى رَضِيَتْ '' (السنن الکبریٰ للبیہقی)

جنازہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امامتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جناب علی المرتضیٰ کو اپنا خاص وزیر و مشیر بنا رکھا تھا، فقہی مسائل بیان کرنے اور فتویٰ دینے میں، جنگی معاملات کے مشوروں میں، فوجی نگرانیوں، ملکی حفاظتی تدابیر میں، وہ عملاً شریک تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بغیر جبر و اکراہ کے برضا بیعت کر کے، نمازیں بھی ان کے پیچھے پڑھتے، حتیٰ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، نماز جنازہ کے صفیں تیار ہوئیں تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پکڑ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگے کیا اور فرمایا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین و خلیفہ ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے'' مَا یَنۡبَغِیۡ لَقَوۡمٍ فِیۡھِمۡ اَبُوۡبَکۡرٍ اَنۡ یَّؤُمَّھُمۡ غَیۡرُہٗ '' چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چار تکبیروں کے ساتھ سیدہ پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔

عرب کا مشہور مقولہ ہے'' صَاحِبُ الۡبَیۡتِ اَدۡرٰی بِمَا فِیۡہِ ''یعنی گھر والا گھر کے حالات کو دوسروں سے زیادہ واقفیت رکھنے والا ہوتا ہے۔ اب خود حضور علیہ السلام کے گھر کے افراد کی زبانی سنیے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انھوں نے کیسا پایا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک فرمایا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گواہی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے اور لوگوں سے فرمانے لگے: ''لوگو! ابوبکر بڑے دردمند، نرم دل اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے''۔ ایک موقع پر آپ نے سوال کے جواب میں فرمایا: ''ابوبکرؓ و عمرؓ اُمّت کے لیے ہدایت کے امام اور رہنما تھے، لوگوں کی اصلاح کرنے والے تھے، نیک کاموں میں کامیاب اور کامران تھے''۔

''قیامت تک بعد میں آنے والے اور حکام پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حجت و دلیل بنا دیا، اللہ کی قسم! یہ دونوں سب پر سبقت لے گئے اور بعد والوں کو اخلاص اور تقویٰ میں، مشقت میں ڈال گئے''۔ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالۡحَقِّ سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور وَ صَدَّقَ بِہٖ سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا یہ دونوں ستر (۷۰) آدمیوں کے اُس وفد میں شامل ہیں، جو قیامت کے روز حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو کر اللہ کی جناب میں پہنچے گا، ان دونوں کو عالم ارواح میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگا تھا، لیکن یہ نبی کریم علیہ السلام کو عطا کیے گئے۔

میں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے'' میری بعثت سے لے کر قیامت تک جو لوگ ایمان لائیں گے، ان سب کا ثواب اللہ نے (اے ابوبکر) تجھے عطا فرما دیا ہے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس امت میں سے جنت میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر داخل ہوں گے۔ قَالَ عَلِیٌّ اِنَّ اَوَّلَ مَنۡ یَدۡخُلُ الۡجَنَّۃَ مِنۡ ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ اَبُوۡبَکۡرٍ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کس طرح صحابہ رضی اللہ عنہ نے مقدم کر دیا، تو آپ نے سائل سے فرمایا: ''تم جانتے نہیں ہو، ابوبکرؓ مجھ سے چار چیزوں میں سبقت کر گئے، ایک نماز کی امامت میں (چنانچہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں آپ نے ۲۱ نمازیں پڑھائیں، پھر وفات کے بعد بالاتفاق خلیفہ بلا فصل بن کر مستقل امامت کروائی)، دوسرا ہجرت کرنے میں، تیسرا غار کی رفاقت میں، چوتھا اسلام کے اظہار اور اس کی اشاعت میں۔ تم نہیں

جانتے اللہ نے ابوبکرؓ کے حق میں ان کی مدح فرمائی، پھر یہ آیت پڑھی: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ...... الخ۔''

ایک روایت میں قسم کھا کر فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے'' مَا اسْتَبَقْنَا اِلٰی خَیْرٍ قَطُّ اِلَّا سَبَقَنَا اِلَیْهِ اَبُوْبَكْرٍ ''جب بھی ہم نے کسی نیک کام کی طرف سبقت کی، ابوبکرؓ ہم سے آگے بڑھ گئے۔

''ابوبکرؓ وعمرؓ زیادہ عمر والے اہل جنت کے سردار ہیں''۔ ابوبکرؓ وہ ہیں جنھوں نے اوّل قرآن کو دو تختیوں کے درمیان محفوظ کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے گئے تو ہم نے اپنے دینی معاملہ میں غور فرکیا تو معلوم ہوا کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو باقی لوگوں سے مقدم کیا، پس ہم دنیاوی امور کے لیے بھی اس شخص پر راضی ہوگئے، جس کو رسولِ خدا نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا تو ہم نے ابوبکر کو مقدم کیا۔ (طبقات ابن سعد)

جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے محبت:

جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے بھی بے پناہ محبت وشفقت فرماتے تھے۔ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نمازِ عصر کے بعد مسجد سے نکلے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے، حضرت حسن بن علیؓ کے پاس سے گزرے، وہ کھیل رہے تھے، سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کندھے پر اٹھایا اور فرمانے لگے، علی بیٹا تو آپ کا ہے، لیکن اس میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن چھلکتا ہے، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرانے لگے (مشکوٰۃ۔ بخاری)۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حیرہ کی فتح سے طلیسان کی قیمتی چادریں آئیں، تو آپ نے حسنین کریمینؓ کو عنایت فرما کر حسن سلوک کا درس دیا (فتوح البلدان)۔ خود حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اِنَّ اَبَا بَكْرٍ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَ اَنَّ عُمَرَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ الْبَصَرِ ''۔

حضرت عبداللہ بن حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان:

حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان کے ایک صاحبزادے عبداللہ ہیں، ان سے شیخینؓ کے بارے سوال کیا گیا تو فرمانے لگے: ''اللہ ان دونوں بزرگوں پر رحمت وسلامتی نازل فرمائے، جو شخص ان کے حق میں ترحّم وشفقت کے کلمات کہنے روا نہیں رکھتا، اللہ اس پر رحمت ہی نہ کرے''۔ اہلِ کوفہ کے استفسار پر کہنے لگے: '' اَنَّهُمَا عِنْدِیْ اَفْضَلُ مِنْ عَلَیٍّ ''یعنی میں تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل یقین کرتا ہوں۔

(فضائل ابی بکر الصدیق۔ ابوطالب العشاری)

سیدنا محمد بن حنفیہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، حسنین کریمین کے بعد آپ کی اولاد میں سب سے افضل ہیں، ان کا یہ ارشاد ۸۰ سے زائد سندوں سے ثابت ہے، فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے والد علی المرتضیٰ کو کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل شخص کون ہے؟ تو فرمایا: وہ ابوبکرؓ ہیں''۔

(کنز العمّال)

سیدنا زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا بیان:

سیدنا زین العابدین نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''ابوبکرؓ و عمرؓ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وہی مقام ہے، جو اس وقت ہے یعنی اس عالم اور اُس عالم میں ان کو نبی کا قرب اور نزدیکی حاصل ہے۔ جیسے دنیا میں اکٹھے تھے، ویسے اب بھی روضے میں اکٹھے ہیں''۔

سیدنا محمد باقر کا بیان:

سیدنا زین العابدین کے دوسرے لڑکے محمد باقر فرماتے ہیں: ''جو شخص ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت اور رتبہ کو نہیں پہچانتا، وہ سنتِ نبوی سے جاہل ہے'' (حلیۃ الاولیاء)۔

آپ ہی کا فرمان ہے کہ ''میں نے اہلِ بیت سے جس شخص کو پایا، وہ ان دونوں سے محبت و دوستی رکھتا تھا'' (طبقات۔ ریاض النضرۃ)۔

آپ نے فرمایا: ''حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں کچھ لوگ کمی و بیشی کرتے ہیں، ان لوگوں کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو، اللہ گواہ ہے، میں ایسی قوم سے بری و بےزار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے اس قوم پر ولایت و حکومت حاصل ہوگی، تو میں ان کی خونریزی اور قتل کر کے اللہ کے ہاں تقرب حاصل کروں گا۔ لَانَالَتْنِی شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ ، مجھے تو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان حضرات کے حق میں کلمات خیر ادا نہ کروں۔ (ریاض النضرۃ)

جانشین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے اہلِ بیت سے پیار تھا، اسی طرح اہلِ بیت کو بھی آپ کی ذات پر مکمل اعتماد اور محبت تھی۔ ان میں کسی بھی قسم کی مناقشت و مجادلت نہ تھی، اللہ کریم ہمیں بھی ان کے اُسوہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

موبائل: 0302-8630028
فون: 061-4552446
قائم شدہ 1968ء

سلیم اینڈ کمپنی

ہمارے ہاں ہمہ قسم الیکٹرونکس، اے سی، فریزر، ایل سی ڈی، ایل ای ڈی وغیرہ
خاص طور سے دفتری اور تعلیمی فرنیچر، گیس اور کچن کے آلات وغیرہ بازار سے بارعایت خریدیں

E-mail: wajidali980@hotmail.com
saleemco1@gmail.com
بہار چوک، معصوم شاہ روڈ، ملتان

مسلمانوں کی تباہی کے اسباب

قسط:۳

شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عفو وہ ہے جو اہل وعیال سے بچ جائے۔ یہاں ایک چیز اور بھی غور کرتے چلو کہ غریب کی مدد اور غربت کے ازالہ کا تصور جس کو آج کل بہت ہی اہمیت دی جا رہی ہے، کیا اسلامی تعلیم سے بہتر کہیں مل سکتا ہے؟۔ ایک شخص کو مجبور کرنا کہ اپنی آمدن پر ظالمانہ ٹیکس ادا کرے، اور دوسرا شخص وہ جو اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ رکھے اور برضا ورغبت سب کچھ غریبوں میں خرچ کر دے۔ دونوں نظریوں میں کتنا فرق ہے کہ پہلا ظلم محض ہے۔ دوسرا خیر محض۔ پہلے میں حوصلوں کو پست کرنا ہے، مستعد لوگوں کو بے کار بنانا ہے اور دوسرے میں ہمتوں کو بلند کرنا ہے اور جو شخص جتنا بھی کما سکتا ہے، اس سے زیادہ پیدا کرنے اور اپنی خوشی سے خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیب میں اپنی ضرورت سے زیادہ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ اپنی ضرورتوں کو فنا کر کے دوسروں پر خرچ کرنا بھی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اپنے اوپر ان کو (یعنی مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود پر فاقہ ہی ہو''۔ (سورۂ حشر: آیت: ۹)

اور پھر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عمل کر کے دکھا دیا اور دوسرے سے عمل کرا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عام حالات اس کے شاہد عدل ہیں۔ کتب حدیث کی کتاب الزہد اور کتاب الرقاق ان مضامین سے پُر ہیں اور کچھ نمونہ دیکھنا تو حکایاتِ صحابہ میں چند واقعات لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ نہ تو یہ مضمون مقصود ہے اور نہ گنجائش۔ تبعاً ذکر آ گیا تھا۔ مجھے اس جگہ تو صرف یہ بتانا ہے کہ جس نوع کی پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں، وہ ہماری اپنی ہی جمع کی ہوئی ہیں اور ایسے سچے، پکے، معتبر حاذق حکیم نے، جس کا نسخہ نہ کبھی خطا کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ صاف صاف امراض کے اسباب بھی بتا دیے ہیں اور ان کے علاج بھی بتا دیے۔ اب اسبابِ مرض سے بچنا اور علاج کرنا طبیب کا کام نہیں ہیں، کوئی التفات نہ کرے تو اپنا نقصان کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بالتحقیق میں تمھارے پاس ایسی شریعت لایا ہوں، جو روشن اور صاف ہے''۔ (مشکوٰۃ، ص:۲۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''اللہ کی قسم میں نے تمھیں ایسے (طریقہ) پر چھوڑا ہے (جو بالکل روشن) سفید ہے، جس کا رات دن برابر ہے''۔ (جمع الفوائد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز پر تنبیہ فرما دی ہے اور دین و دنیا کا کوئی جز ایسا نہیں چھوڑا ہے جس پر اس مختصر چند سالہ زندگی میں تبصرہ نہ فرما دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال کرنے میں جلدی

کرو اور ایسے فتنوں کے پیدا ہونے سے (پہلے پہلے کرلو) جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے (کہ حق ناحق کا امتیاز مشکل ہوجائے گا)، ان میں صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر۔ اپنے دین کو تھوڑے سے دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع (اور توبہ) کرلو اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے اعمالِ صالحہ کرلو اور اللہ جل شانہٗ کو کثرت سے یاد کرکے اور مخفی اور علانیہ صدقہ کرکے اللہ کے ساتھ رابطہ جوڑلو کہ ان چیزوں کی وجہ سے تم کو رزق بھی عطا کیا جائے گا، تمھاری مدد بھی کی جائے گی اور تمھارے نقصان کی بھی تلافی کردی جائے گی۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص ظالم کو معاف کردے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی عزت بڑھاتے ہیں، لہٰذا مظالم کو معاف کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں عزت عطا فرمائے اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اس پر فقر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (معجم صغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری اُمت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کے تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے (یعنی نکاح کرنے کے لیے بجائے دیانت، تقویٰ اور دین داری کے مال دار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہٗ ان پر چار چیزیں مسلط فرمادیں گے۔ زمانہ کا قحط اور بادشاہ کا ظلم اور حکام کی خیانت اور دشمنوں کا حملہ۔ (حاکم)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ گناہ کا بدلہ عبادت میں سستی، روزی میں تنگی اور لذت میں کمی ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، کبھی ترش روئی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پیش نہیں آئے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کر، اس سے عمر میں اضافہ ہوگا اور تیرے محافظ فرشتے تجھ سے محبت کرنے لگیں گے (طبرانی صغیر) اور نماز کا کچھ حصہ گھر میں مقرر کر کہ اس سے گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا اور جب گھر میں جایا کرے تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کر کہ اس کی برکت تجھ پر بھی ہوگی اور گھر کے لوگوں پر بھی۔ ان سب روایات سے یہ بات واضح ہے کہ جیسے معاصی اور گناہوں کی کثرت پریشانیوں اور حوادث کی کثرت کا سبب ہے، ایسی ہی طاعات اور عبادات دارین کی فلاح کا سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے، اے آدم کی اولاد! تو میری عبادت کے لیے فراغت (اوقات نکال لے)، میں تیرے سینے کو غنا (اور بے فکری) سے پُر کردوں گا اور تیرے فقر (وفاقہ) کو دور کردوں گا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا (کہ میرے عبادت کے لیے فارغ بنے) تو تجھے مشاغل میں پھنسا دوں گا اور تیرا فقر زائل نہ کروں گا۔

یہ ارشاد خداوندی ہے اور اس مالک الملک اور قادرِ مطلق کا ارشاد ہے، جس کے قبضہ قدرت میں دنیا کی ہر چیز ہے۔ نیز اس کے ہم معنی اور بھی روایات ہیں، جن میں دنیا کی فلاح و کامیابی کا مدار اللہ کی عبادت پر رکھا ہے۔ لیکن ہم لوگ دنیا

کمانے کے واسطے عبادت ہی کے اوقات پر سب سے پہلے صفایا کرتے ہیں، جب اس طرح اللہ کی نافرمانیوں میں ہماری ترقیات ہوں تو پھر ہماری پریشانیوں اور تنگ دستیوں میں کیوں نہ اضافہ ہو۔ دین سے بے پرواہ ہو کر مسلمان روٹی کا سوال حل کرنا چاہیں تو کیسے ممکن ہے، جب روٹی دینے والا یہ کہے کہ میں نہ فقر کو دور کروں گا، نہ دل کو مشاغل سے خالی کروں گا۔

صحیح حدیث میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر بندے میری اطاعت (پوری پوری) کریں تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بارش برساؤں اور دن میں آفتاب نکلا رہے (کہ کاروبار میں حرج نہ ہو) اور بجلی کی آواز بھی ان کے کان میں نہ پڑے (تاکہ ان کو ذرا سا بھی خوف وہراس نہ ہو)۔ (جامع الصغیر)

لیکن ہم لوگوں کی شامتِ اعمال کہ دن اور رات کا یہ نظم درکنار، جگہ جگہ بارشوں کی قلت بڑھتی رہتی ہے اور جہاں ہوتی ہیں، سیلاب کی صورتوں میں بسا اوقات ہوتی ہیں۔

احیاء میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ نہایت سخت قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ تین دن تک استسقاء کی نماز کے لیے باہر تشریف لے جاتے رہے مگر بارش نہ ہوئی، تیسرے دن وحی آئی کہ اس جماعت میں ایک شخص چغل خور ہے، اس کی وجہ سے تم لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اس کا علم ہو جائے تاکہ اس کو مجمع سے الگ کر دیا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ میں تمھیں چغلی سے منع کروں اور خود اس شخص کی چغلی کھاؤں، اس لیے تعین نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرما کر توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ چغل خوری سے سب سے توبہ کروائی، فوراً بارش ہوگئی۔

حضرت سفیان ثوری سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سات سال تک ایسا سخت قحط پڑا کہ کوڑوں (گھوروں) پر سے مردار اٹھا کر لوگوں نے کھائے اور آدمیوں کے کھانے کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگ پریشان حال جنگلوں اور پہاڑوں پر روزانہ دعاؤں اور استسقاء کی نمازوں کے لیے نکلتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس زمانہ کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تمھاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے کتنے ہی خشک ہو جائیں اور آسمانوں تک ہاتھ دعاؤں کے لیے اٹھ جائیں، اس وقت تک میں کسی رونے والے پر بھی رحم نہیں کروں گا، جب تک کہ آپس کے مظالم دور نہ کیے جائیں۔

کتبِ تواریخ واحادیث میں اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں، الغرض سینکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے اعمالِ حسنہ پر دارین کی فلاح اور اعمالِ سیئہ پر دارین کے نقصانات تفصیل سے بتا دیے گئے ہیں۔ ان روایات کا نہ احصا مجھ سے ممکن ہے، نہ مقصود ہے۔ غرض ان مثالوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ ہم خود اپنے افعال سے مہلکات میں پڑتے رہیں۔ نقصان دہ اُمور اختیار کرتے ہیں اور زبان سے مسلمانوں کی تباہی کا گیت گاتے ہیں، ہماری مثال اس بیمار کی سی ہے، جو اسہال کا مرض ہو، وہ دمادم مسہل، دواؤں کا استعمال کرتا رہے اور شور مچاتا رہے کہ دست نہیں تھمتے۔ کوئی اس بے وقوف سے پوچھے کہ تو خود مسہلات کا استعمال کر رہا ہے تو یہ اطوار تھمنے کے ہیں یا بڑھنے کے ہیں۔ ہم انگریزوں کے مظالم کا رونا ہر وقت روتے رہتے ہیں اور آنے والی حکومت کے خطرات سے اور بھی زیادہ خائف ہیں، لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کے متعلق ہم کو متنبہ نہیں فرمایا، کیا حکومتوں کے اسباب اور اعمال کو واضح الفاظ میں نہیں بتا دیا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ ابی واُمی) کی شفقت یا تعلیم وتنبیہ میں کسی قسم کی کمی ہے۔ حاشا وکلاً۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، فرماتے ہیں:

''جیسے تم لوگ (اپنے اعمال کے اعتبار سے) ہوگے ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے''۔

(مشکوٰۃ ولہ طرق فی المقاصد الحسنہ)

اس لیے اگر ہم اپنے اوپر بہترین افراد کی حکومت چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج بہترین اعمال ہیں اور کچھ نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب تک میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر رحمت اور مہربانی کے لیے پھیر دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر غصہ اور انتقام کے لیے پھیر دیتا ہوں، جس سے وہ ان کو سخت عذاب (اور تکالیف) پہنچانے لگتے ہیں، اس لیے تم بجائے بادشاہوں پر بددعائیں کرنے کے میرے ذکر کی طرف متوجہ ہو اور میری طرف عاجزی (اورزاری) کرو، تاکہ میں ان تکالیف سے تمھیں محفوظ رکھوں۔

(رواہ ابو نُعیم فی الحلیہ کذا فی المشکوٰۃ. وفی مجمع الزوائد بروایۃ الطبرانی و فی الدُر المنثور، ص: ۱۸۹، ج: ۴. اخرج ابن ابی شیبۃ.)

اس قسم کے مضامین بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے، دعا ماثورہ میں ہے:

اَللّٰھُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا بِذُنُوْبِنَا مَن. لَّا یَرْحَمُنَا.

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے اوپر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔

حق جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

وَ کَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْ یَکْسِبُوْنَ. (انعام: رکوع: ۱۵)

ترجمہ: اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر ان کے اعمال کی وجہ سے حاکم بنا دیتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب جلالین وغیرہ نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اعمش فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں تو ان پر بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ سے دریافت کیا کہ لوگوں سے آپ کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے، ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت ان پر بارش نازل کرتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں۔ ان کے انتظامی امور حلیم لوگوں کے سپرد کر دیتا ہوں اور ان کے اموال عامہ کو کریم لوگوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کے ان سے ناراض ہونے کی کیا

علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت بارش روک لیتا ہوں اور کاٹنے کے وقت برساتا ہوں اور ان کے انتظامی امور کو بے وقوفوں کے سپرد کرتا ہوں اور اموال عامہ کو بخیلوں کے حوالے کردیتا ہوں۔ (درالمنثور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو، ورنہ اللہ جل جلالہٗ بدترین لوگوں کو تمھارا حاکم بنادیں گے۔ پھر تمھارے بہترین لوگ بھی دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی (جامع)۔ جن لوگوں کو یہ اشکال دامن گیر رہتا ہے کہ یہ بزرگ دعا کیوں نہیں کرتے یا ان کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی، وہ اس پر بھی غور کرلیا کریں کہ وہ خود نیک کاموں کا کتنا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے کتنا روکتے ہیں اور یہ چیز جب چھوٹ گئی تو دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بے محل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

جب اللہ جل شانہٗ کسی قوم کی بہبود کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلیم لوگوں کو حاکم بناتے ہیں (کہ غصہ میں بے قابو نہ ہو جائیں) اور علماء ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں (کہ علم کی روشنی میں حق کے موافق فیصلہ کریں) اور مال سخی لوگوں کے قبضہ میں کردیتے ہیں (کہ ہر شخص کو اس کی سخاوت سے نفع حاصل ہو) اور جب کسی قوم کی (بداعمالیوں کی وجہ سے) برائی مدنظر ہوتی ہے تو بے وقوفوں کو حاکم بنادیا جاتا ہے اور جاہلوں کے ہاتھ میں اُن کے فیصلے ہوجاتے ہیں اور مال بخیلوں کو دے دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی جماعت پر اللہ جل شانہٗ کا غصہ ہوتا اور آخری عذاب مثلاً دھنس جانا یا صورتوں کا مسخ ہوجانا نازل نہیں ہوتا تو نرخ میں گرانی کرادیتے ہیں اور بارش کو روک لیتے ہیں اور بدترین لوگوں کو حاکم بنادیتے ہیں۔

ایک حدیث میں اللہ جل شانہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے ذریعہ جو مغضوب ہیں (یعنی ان پر میرا غضب ہے)، دوسرے مغضوبوں سے انتقام لیتا ہوں، پھر سب کو جہنم میں ڈال دیتا ہوں۔ اسی لیے ایک حدیث میں وارد ہے کہ حکام کو گالیاں نہ دو بلکہ ان کے لیے صلاحیت کی دعا کرو کہ اُن کی صلاحیت میں تمھاری صلاح بھی مضمر ہے۔ (یعنی گالیاں دینے سے تو ان کی درستی ہونے سے رہی)۔ (کذا فی المجمع وفی الجامع بروایۃ الطبرانی عن ابی امامہ)

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اپنے قلوب کو سلاطین اور بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو، بلکہ اللہ کی طرف تقرب حاصل کرو اور متوجہ ہو کر ان کے لیے دعاءِ خیر کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے دلوں کو تمھارے اوپر مہربان کردیں۔

مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے بلال بن ابی بردہ کا ذکر شروع کردیا اور اس کو برا بھلا کہنا لگے۔ ابن عون چپ بیٹھے رہے، لوگوں نے کہا تمھاری ہی وجہ سے ہم اس کو برا بھلا کہتے ہیں کہ اس نے تم پر زیادتی کی۔ ابن عون کہنے لگے کہ میرے اعمال نامہ میں ہر کلمہ لکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ پڑھا جائے گا۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ اس میں کسی کو برا بھلا کہنے کی بجائے لا الٰہ الا اللہ (کثرت سے) نکلے (احیاء)۔

ایک بزرگ کے سامنے کوئی شخص حجاج ظالم کو بددعا دینے لگا۔ انھوں نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ یہ جو کچھ ہورہا ہے، تمھارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہوجائے یا مرجائے تو تم پر بندر اور سؤر نہ حاکم بنادیے جائیں (مقاصد حسنہ)۔ اور اعمالکم عُمّالکم تو ضرب المثل ہے۔ بعض لوگوں نے اس حدیث بھی بتایا ہے، مطلب یہ ہے کہ تمھارے اعمال تمھارے حاکم ہیں، جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی حاکم مسلط کیے جائیں گے۔

الغرض مجھے ان چیزوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ مجھے مثال کے طور پر یہ بتانا ہے کہ جس قسم کی پریشانیاں، حوادث، مصائب ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور مسلمان ان میں مبتلا ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان سب پر تنبیہ ہے۔ احادیث کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں دنیا میں مصائب کا سبب ہیں اور نیک اعمال دنیا میں بھی فلاح کا ذریعہ ہیں۔ اور پھر خاص خاص گناہوں پر خاص خاص حوادث اور مصائب بھی بتا دیے ہیں اور مخصوص طاعات پر مخصوص انعامات کا ترتب بھی ارشاد فرمایا ہے۔

ہم لوگ حوادث کی شکایات کو طومار باندھ دیں اور انعامات کی ہر وقت امید لگائے بیٹھے رہیں، لیکن جن امور پر یہ چیزیں مرتب ہیں اُن سے یکسر غافل رہیں، بلکہ ان کا مقابلہ کریں، ان کو دیدہ و دانستہ چھوڑیں اور کوئی تنبیہ کرے تو اس کی جان کو آ جائیں، تو ہماری مثال بالکل اسی شخص کی سی ہے جو اسہال کا مریض ہو اور ہر دو گھنٹہ بعد ایک تولہ سقمونیا کھا لے اور شور مچائے کہ اسہال تھمتے نہیں۔ اور کوئی سقمونیا کھانے کو منع کرے، تو اس کو بے وقوف بتائے۔ حیرت ہے کہ ایک معمولی طبیب کسی چیز کے متعلق کہہ دے کہ یہ نقصان کرتی ہے، ایک کافر ڈاکٹر اعلان کر دے کہ آج کل امرود کھانے سے ہیضہ ہو جائے گا تو اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کو نہ ہو۔ ایک بھنگی یہ کہہ دے کہ اس گلی میں بہت بڑا کالا سانپ ہے، تو اچھے اچھے بہادروں کی جرأت نہ ہو کہ اس گلی میں چلے جائیں۔ ایک جاہل گاؤدی کہہ دے کہ اس سڑک پر ایک شیر بیٹھا ہے تو اس طرف کا راستہ چلنے کی ہمت نہ ہو۔ بڑی بہادری یہ ہوگی کہ دو چار ساتھیوں کے کے ساتھ دو تین بندوقیں لے کر ادھر کا رخ کیا جائے، لیکن اللہ جل جلالہٗ کا پاک اور سچا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، وہ شفیق اور حکیم مربی جس کو ہر وقت اُمت کی بہبود کی فکر ہے اور اس کا اہتمام ہے، وہ اُمت کو نفع دینے والی چیزوں کا حکم کرے، نقصان رساں اُمور سے روکے، لیکن امت اپنی نیاز مندی اور جان نثاری کے لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود ان ارشادات کی پرواہ نہ کرے، کتنا صریح ظلم ہے۔ آج گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہو جائے کہ فلاں نوع کی تقریر جرم ہے، دس سال کی قید ہوگی، اچھے اچھے بہادر کامیاب لیڈر اور ایڈیٹر سوچ سوچ کر مضمون لکھیں گے اور تقریر میں بچا بچا کر الفاظ لائیں گے۔ لیکن ساری دنیا کا مالک، بادشاہوں کا بادشاہ، جس کے قبضہ قدرت میں ساری حکومتیں اور سارے بادشاہ ہیں، سختی سے ایک حکم فرماتا ہے، قرآن پاک میں سود کے لینے والے کو اپنی طرف سے اعلانِ جنگ کرتا ہے اور حدیث قدسی میں اللہ والوں کی مخالفت اور دشمنی کو اپنے ساتھ جنگ بتاتا ہے۔ سودی معاملات کرنے والوں پر لعنت کرتا ہے، شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو اپنی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے، کتنے آدمی ہیں، جن کے دل پر کچھ بھی چوٹ اس چیز کی لگتی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم پر کیا کیا مصائب ان امور کے بدلے میں آنے والے ہیں۔ ہر شخص خود ہی غور کر لے، کسی دوسرے کے بتانے کی چیز نہیں اور اگر ان چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے ان میں ترقیات ہیں تو اللہ سے لڑنے کے لیے، اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت برداشت کرنے کے لیے مصیبتیں، ذلتیں، نکبتیں، آفتیں جھیلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

(جاری ہے)

خوش اخلاقی

شاہ بلیغ الدین رحمہ اللہ

پوچھا گیا آدمیوں میں اچھا کون ہے؟ اور اللہ کے پاس اچھا کون؟ جواب ملا کہ...... جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ سوال ہوا کہ...... اچھے اخلاق سے کیا مطلب ہے؟ جواب ملا کہ...... ایک مرتبہ ایک صاحب اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ...... میرے لیے کوئی نصیحت! ارشاد ہوا کہ...... غصہ نہ کر۔ انھوں نے بار بار پوچھا کہ کوئی اور نصیحت! ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کر۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جو اپنے غصے پر قابو رکھے، وہ بڑی قوت والا، بڑا پہلوان ہے۔ غصہ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کر دیتا ہے۔ غصہ ایک آگ ہے، جب یہ بھڑکتا ہے تو اچھی چیزوں کو جلا دیتا ہے...... صبر کو، شکر کو، نرمی کو، حُسنِ اخلاق کو، سب کو غصے کی گرمی جلا دیتی ہے۔

امام بیہقی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں سب سے بہتر عطیہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حُسنِ خُلق'' یعنی اچھے اخلاق۔

مؤطا میں ہے، حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب وہ یمن کے حاکم بن کر جا رہے تھے، تو جو آخری بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی کہ مُعاذ! دنیا والوں کے لیے اپنے خُلق کو اچھا بنا، جس کا اخلاق اچھا ہو گا، وہ احسان کرنے والا ہو گا۔ اسی لیے ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے تم میں وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے، جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں''۔

ہمارا دین خوبیوں کا دین ہے۔ اس میں حسن و جمال ہے، نرمی، محبت، خوش اخلاقی، ایثار، کئی ایسی باتیں ہیں جن سے ایک دلکش شخصیت بنتی ہے۔ سوچیے وہ کیسے مسلمان ہیں، جو ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں، ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اپنے کٹّر سے کٹّر دشمن سے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حُسنِ اخلاق سے بات کی اور دین کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے لعنتوں پر نہ دھرا۔ معلوم ہوا کہ حسنِ اخلاق، اسلام کی نشانی ہے اور بدزبانی یا بدگوئی شیطان کے چیلوں چانٹوں کا طریقہ ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ جو ایسا کرتے ہیں، وہ منافق اور فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں جو نیکیاں رکھی جائیں گی، اُن میں سب سے زیادہ وزن حُسنِ اخلاق کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ گالیاں دینے والے اور بے ہودہ بکواس کرنے والے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کو

تنگ کرنا، اُن کے بزرگوں کو گالیاں دینا، قابلِ احترام شخصیتوں کی پگڑیاں اچھالنا، انھیں کافر کہنا، ان پر لعنت کرنا ایسی بدخُلقی ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن بن جاتا ہے۔

چنانچہ ابوداؤد اور بیہقی میں حارثہ بن وہب اور عکرمہ بن وہب کی روایتیں ہیں کہ بدخلق یعنی بری زبان والا اور لعنت والا بخیل اور بدگو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

اسلام میں لطف اور مہربانی، شرافت اور خوش مزاجی کا بڑا مقام ہے، اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدۂ عالم اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لطیف اور مہربان ہے اور لطف و مہربانی سے محبت رکھتا ہے۔ اسلام نے یہ بات سمجھانے کی طرح طرح سے کوشش کی ہے۔ مثلاً ہمیں بتایا گیا کہ خودستائی یا شیخی بھی بدخُلقی ہے۔ یہ شیطان کی فطرت اور فرعون وقارون کی عادت ہے۔ جس کے دل میں غرور ہوگا، اس پر جنت کے دروازے بند کردیے جائیں گے۔ عیب جوئی، تہمت تراشی، غیبت، بات کاٹنا، آدابِ گفتگو کا خیال نہ رکھنا، بزرگوں، دوستوں کو سلام نہ کرنا، سلام کا جواب نہ دینا، سائل کو دھتکارنا، اہلِ معاملہ سے نظر ٹیڑھی کر کے بات کرنا...... یہ اور ایسی بہت سی حرکتوں کے نقصانات گِنا کر اسلام حکم لگاتا ہے کہ...... جو صاحبِ اخلاق نہیں، وہ مسلمان نہیں۔

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ...... ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی میں خطبہ دیا تو فرمایا کہ...... دوستو! تواضع یعنی نرمی اور محبت اختیار کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ...... جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ اونچا کرے گا۔ جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے گا، اللہ اُسے دنیا والوں کی نگاہوں میں بہت بلند کردے گا۔ جو غرور و تکبر کرے گا، وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا حتیٰ کہ کتے اور سور سے بدتر ہو جائے گا۔

(مطبوعہ: طوبیٰ)

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

تحریکِ نسواں کا تاریخی پس منظر

مریم جمیلہ

مترجم: خالدامین

(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو جامعہ کراچی)

(حال ہی میں ۸/مارچ ۲۰۱۹ء خواتین کے دن کے موقع پر فریئر ہال کراچی میں ''خواتین مارچ'' کا اہتمام کیا گیا جس میں اس دن کی مناسبت سے حقوق نسواں کی سرگرم تنظیموں نے شرکت کی، اور عورتوں پر ہونے والے مظالم کی دردناک تصویر پیش کر کے دنیا سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں عزت نہیں، ہمیں انسان تسلیم کیا جائے۔ اس جملے کے ساتھ ساتھ کئی ایسے جملے بھی موجود تھے جنہیں پڑھ کر اس تحریک کے پس پردہ مقاصد کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ''میرا جسم میری مرضی''، ''یہ چاردیواری، یہ چادر گلی سڑی لاش کو مبارک''، ''کھانا گرم نہیں کرنا'' وغیرہ وغیرہ۔ بہ ظاہر یہ نعرے اپنے اندازِ فکر میں جس تاریخی پس منظر کو لیے ہوئے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے تحریکِ نسواں کے تاریخی پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔ پاکستان میں اس تحریک سے وابستہ افراد اب اس مقام پر آ چکے ہیں کہ وہ اپنے ارادے کو نہ صرف کھل کر بیان کر سکتے ہیں بلکہ اس کے لیے اب وہ ہر محاذ پر جارحانہ انداز بھی اپنانے کو تیار ہیں۔ مریم جمیلہ کا یہ مضمون اسی پس منظر اور نعروں کا جواب فراہم کرتا ہے۔ وہ اسلامی نقطہ نظر کو پیش کرتے ہوئے دورِ حاضر کی عصری تحریکات کی طرح مصالحانہ رویہ اختیار نہیں کرتیں بلکہ اپنی آراء بلا کم و کاست اہلِ نظر کے سامنے پیش کر دیتی ہیں)

خواتین کی آزادی کے نام سے مشہور بنیاد پرست تحریکِ حقوقِ نسواں ہے جس نے عصر حاضر میں سماجی سطح پر انسانی رشتوں میں کئی انقلابی تبدیلیاں برپا کی ہیں۔ تحریکِ حقوق نسواں جدید دور کی چیز نہیں۔ اس کی تاریخی مثالیں قدیم دور میں بھی ملتی ہیں۔ افلاطون کی مشہور کتاب ''Republic'' میں ان خاندانی اور سماجی کرداروں کو ختم کرنے پر اصرار پایا جاتا ہے جن کی تشکیل صنفی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ قدیم یونانی کلاسیکی کامیڈی Lipsistrata میں اور حال ہی میں Henrick Ibsen کے ڈرامے "A Doll's House" میں نسوانی نظریات کی ترویج کی گئی ہے۔ وکٹورین ماہر معاشیات اور فلسفی جان اسٹورٹ مل (John Stuart Mill) اور جرمن سوشلسٹ فریڈرک اینگلز (Fricdrich Engles) نے جو مضامین بہ عنوان The Subjection of Women (عورتوں کی غلامی) ۱۸۶۹ء میں لکھے تھے، انہوں نے تحریک نسواں کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۸۴ء میں اینگلز نے کھلے عام اعلان کیا کہ شادی کا بندھن غلامی کی ایک تبدیل شدہ بے کیف صورت ہے۔ اس نے اپنے مضمون میں زور دیا کہ اسے فوری ختم کیا جائے، اور بچوں کی پرورش کے لیے عوام کی ذمہ داری تجویز کی۔

امریکہ میں تحریک نسواں ان دو اہم وجوہات کی بنا پر سامنے آئی: غلامی کے خاتمے کی تحریک اور Temperence Movement کی بدولت شراب پر قانونی پابندی۔ جن خواتین نے ان تنظیموں میں شمولیت

اختیار کی انھوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیابی جلد حاصل کر لیں گی، اور انھوں نے جلد ہی سیاسی طاقت بھی حاصل کر لی۔ Seneca Falls Convention ۱۹۴۸ء میں منعقد ہوا، جو اس تحریک کے لیے تاریخی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں حقوقِ نسواں کے علم برداروں نے خواتین کے لیے ایک منشور اور حقوق کا مطالبہ کیا۔ اس میں انھوں نے شوہر کے ساتھ برابری، روزگار میں جنسی امتیازات برتنے کی مخالفت، طلاق کے حقوق اور مساوی تنخواہ کا مطالبہ بھی پیش کیا۔ جس وقت خواتین کی محرومیوں کی یہ تحریک مقبول ہو رہی تھی اُس وقت قدامت پسند حقوقِ نسواں کے حامی اپنی سرگرمی اور مطالبات کو محدود کر لیتے ہیں اور خواتین کی محرومیاں ان کا واحد ہدف ٹھہرتی ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں امریکی آئین میں انیسویں ترمیم کے بعد خواتین کو ووٹ دینے کی منظوری دے دی گئی، اور نسائی تحریک کے کارکنان کی اکثریت نے اس ترمیم کے بعد عورتوں کی فلاح و بہبود کا حق حاصل کر لیا۔ اس کے بعد حقوقِ نسواں کی تحریک ۴۴ سال تک غیر فعال ہوگئی۔

۱۴ دسمبر ۱۹۶۱ء کو صدر جان ایف کینیڈی نے خواتین کی حیثیت پر صدارتی کمیشن قائم کر کے صدارتی حکم نامے پر دستخط کیے۔ یہ کمیشن عورتوں کے ساتھ برتے جانے والے تعصّبات، خواتین کے حقوق کی مکمل بحالی، پرانے رسوم و رواج کا مقابلہ کرنے کے لیے حائل رکاوٹوں کی تحقیقات اور ان پر سفارشات مرتب کرنے کے لیے تھا۔ یہ صدارتی کمیشن پہلا سرکاری ادارہ تھا جو خواتین کے حقوق کے تعین کے لیے بنایا گیا تھا۔

چناں چہ "Silent fifties" کے بعد ۱۹۶۰ء کی ابتدا میں حقوقِ نسواں کے علم برداروں نے تصادم کی سیاست شروع کی اور اس کے لیے انھوں نے دھرنے دیے اور مارچ کیے۔ کالج اور یونی ورسٹی کی طالبات نے ان سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

ان خواتین نے جو Seneca Falls Convention ۱۹۴۸ء میں شامل ہوئی تھیں اور انھوں نے صرف شرابی شوہروں اور خواتین سے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کیا تھا، ان کی کامیابی صرف یہ تھی کہ انھوں نے شادی سے متعلق قانونی، جائداد پر اختیار اور مردوں کے مساوی تنخواہوں کے حصول جیسے حقوق حاصل کر لیے تھے۔ اس کے برعکس حقوقِ نسواں کے جدید جانشینوں کے مطالبات کہیں زیادہ بنیاد پرست ہیں۔ ۲۶ اگست ۱۹۷۰ء کو سب سے بڑا اور پُر جوش مظاہرہ Fifth Avenue نیویارک میں منعقد ہوا، جس میں سیکڑوں خواتین نے پلے کارڈ اٹھا کر نیویارک شہر میں مارچ کیا۔ ان کارڈز پر یہ نعرے درج تھے:

خواتینِ خانہ بلا معاوضہ غلام ہیں! گھر کے کام کاج کے لیے ریاست پیسہ فراہم کرے! مظلوم خواتین رات کا کھانا نہ پکائیں! آج رات اپنے شوہر کو بھوکا مرنے دیں! قربانی دینا ترک کر دیں! شادی نہ کریں! بچوں کے پوتڑے دھونا ترک کر دیں! اسقاطِ حمل کو قانونی بناؤ! انحصاری کی حالت میں زندہ رہنا کوئی اچھا طرزِ عمل نہیں!

آج حقوقِ نسواں کے علم بردار کسی بھی ایسے سماجی نظام کے مخالف ہیں، جس کی تشکیل میں صنفی امتیاز برتا جائے۔ اس تحریک کے حامی افراد عورتوں اور مردوں کے مابین قطعی برابری پر اصرار کرتے ہیں اور جسمانی فرق پر توجہ نہیں دیتے، وہ

عورت اور مرد کے جسمانی فرق کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بیوی کو گھریلو خاتون اور ماں اور شوہر کو نان و نفقہ فراہم کرنے والا اور خاندان کا سربراہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے جنسی ملاپ میں عورت کو غیر فعال نہیں بلکہ مردوں کی طرح فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ انھوں نے قانونی شادی کے خاتمے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ گھر اور خاندان عورت کی مکمل جنسی آزادی کی راہ میں حائل ہیں، بچوں کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری عوام پر ہونی چاہیے۔ ان کا اصرار ہے کہ تمام عورتوں کو اسقاطِ حمل پر مکمل اختیار دیا جانا چاہیے۔ ان لوگوں کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ مانع حمل کے تمام آلات کسی بھی عورت کو خواہ وہ کسی بھی عمر کی ہو، بغیر کسی ڈاکٹر کے نسخے کے کسی بھی میڈیکل سینٹر سے بہ آسانی دستیاب ہونے چاہئیں، وہ تمام پابندیاں ختم کی جائیں جو ان چیزوں پر لاگو ہیں۔ اسقاطِ حمل کے تمام قوانین ختم کیے جائیں اور عورتوں کو اس بات کا قانونی اختیار حاصل ہو کہ وہ حمل کے کسی بھی مرحلے پر اسقاطِ حمل کر سکیں۔ اسقاطِ حمل مطالبہ کرنے پر ہی دستیاب نہ ہو، بلکہ ریاست کی جانب سے بلا معاوضہ ہر اُس عورت کو فراہم کیا جائے جو ایک یا اس سے زیادہ اسقاطِ حمل چاہتی ہو، تاکہ غریب خواتین بھی اس سہولت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ حقوقِ نسواں کی تحریک کے حامیان اس مطالبے پر زور دیتے رہے کہ تعلیمی اداروں میں نصاب لڑکے اور لڑکیوں کے لیے مخلوط ہونے چاہئیں، یعنی ہوم اکنامکس کو لڑکیوں کے لیے اور شاپ میکینکس کو لڑکوں کے لیے مخصوص نہیں کرنا چاہیے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ جمنازیم اور فزیکل ایجوکیشن نہ ہو، لڑکیوں کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ کھیل کے تمام شعبہ جات میں چاہے وہ جسمانی ہی کیوں نہ ہو، لڑکوں کے شانہ بشانہ مقابلہ کریں۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں تاکہ صنفی امتیاز کو ختم کیا جا سکے اور خواتین کو مردوں کے مساوی تمام شعبہ ہائے زندگی میں پیش کیا جائے۔ حقوق نسواں کے حامی، بچوں کی کتابوں پر بھی اس لیے تنقید کرتے ہیں کہ وہ اپنی کہانیوں میں ایک ماں پر مشتمل خاندان کا ذکر کرتی ہیں، ''غیر شادی شدہ ماں'' اور ''طلاق یافتہ عورت'' کو ماڈل کے طور پر پیش نہیں کرتیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ انھوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ لڑکیوں کو ایسے کھلونے دیے جائیں جن سے کھیل کر وہ جنسی تلذذ حاصل کر سکیں، جب کہ لڑکوں کو DOLLS دی جائیں تاکہ وہ اس سے تسکین پا سکیں۔ بنیاد پرست حقوق نسواں کے علم برداروں نے یہ بھی تجاویز دیں کہ روایتی شادی کے طریقہ کار کے بجائے عورتوں اور مردوں کو مشترکہ قومی فلاح و بہبود کے تحت بسایا جائے، اور بچوں کی ذمہ داری عوام پر عائد کی جائے۔ عوام الناس کو ۲۴ گھنٹے کی بنیاد پر بچوں کی دیکھ بھال کے ادارے اسی طرح مفت فراہم کیے جائیں جس طرح پارک، لائبریری اور تفریحی سہولیات امریکہ میں موجود دوسری کمیونٹیز کو فراہم کی جاتی ہیں، لیکن چائلڈ کیئر سینٹر کو امریکہ میں غیر سنجیدہ انداز میں لیا جاتا تھا۔ عورت کو مالی طور پر آزاد کیا جائے اور کسی بھی پیشے کو اختیار کرنے پر بہ حیثیت عورت کے، اس پر پابندی عائد نہیں ہونی چاہیے۔

خواتین کی اکثریت شاید یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ روایتی کردار ادا کرنا چاہتی ہیں، وہ اصل میں خوف زدہ یا اپنی موجودگی کے کسی دوسرے تصور کو خیال میں لانے سے قاصر ہیں۔ روایتی رویوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انھیں ایک خاص قسم کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اگر کوئی قید میں ایک خاص قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بارے میں جان بھی لے تو آزادی کا تجربہ خوف میں مبتلا کرنے والا ہے۔ ہم خواتین پر کچھ بھی مسلط نہیں کرنا چاہتے سوائے اس کے کہ تمام ممکنہ متبادلات

سامنے لے آئیں۔ ہم چناؤ کی تلاش میں ہیں جو ایک اہم کام ہے، بلکہ یہ لوگوں کو انسان بنانے کے لیے بھی اہم ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو مکمل انسان بنایا جائے، نہ کہ انھیں قوانین یا روایات یا ہمارے تنگ نظر ذہنی رویوں کی جکڑ بندیوں میں مبتلا کر دیا جائے۔ اگر فطرت میں اس بات کی گنجائش نہیں تو فطرت کو تبدیل کیا جانا چاہیے۔

حقوقِ نسواں کے علم برداروں نے اس تحریک کے ذریعے متبادل انتخاب کے نام پر عورتوں میں سماجی سطح پر ہم جنس پرستی کو فروغ دیا۔ تحریک نسواں کی ایک شاخ Homophile Orgnization ہے جو The Daughters of Bilitis کے نام سے مشہور ہے، جس کا مقصد نسائی ہم جنس پرستی کا فروغ ہے۔ نسائی تحریک کے ارکان جو اس تحریک سے قبل نسائی ہم جنس پرست تھے اور جو اس میں شمولیت کے بعد ہم جنس پرست ہو گئے۔ مؤخر الذکر نسائی تحریک کے علم برداروں کے لیے عورتوں کی ہم جنس پرستی سیاسی احتجاج کی ایک شکل ہے۔ حقوق نسواں کے علم برداروں کے نزدیک ہم جنس پرستی آزادی حاصل کرنے کا ایک ایسا راستہ ہے جو ہمیں مردوں کے جبر سے آزاد کر دے گا۔

بنیاد پرست نسائی تحریک کا اختتامی نتیجہ کیا ہے؟ معاشرے کو کس قسم کی آزادی خواتین کے لیے حاصل کرنی چاہیے؟ تحریک نسواں غیر فطری، مصنوعی، عصری سماجی شکست وریخت کی خلافِ معمول چیز ہے، جو اخلاقی اور روحانی اقدار کے انکار کا نتیجہ ہے۔ بشریات اور تاریخ کے طالب علم تحریکِ نسواں کی بے اعتدالی کے بارے میں کسی شک وشبہ سے ماورا ہیں۔ کیوں کہ تمام انسانی ثقافتیں جنھیں ہم تاریخ اور قبل از تاریخ کے زمانوں سے جانتے ہیں، ان میں مردوں اور خواتین کے درمیان واضح امتیاز روا رکھا گیا ہے اور ان کے سماجی کردار بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ گھر اور خاندان کی شکست وریخت، سربراہ کے کردار کا نقصان اور جنس کی مکمل آزادی کسی بھی قوم کی راست تباہی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اس بات پر بحث ہوسکتی ہے کہ اگر ایسا ہے تو کیوں مغربی تہذیب اتنی غیر معمولی، زوردار اور متحرک ہے جب کہ وہ اقدار سے منحرف اور اخلاقی تنزل کے باوجود اتنی ترقی کر رہی ہے، اور کیوں اب تک عالمی تسلط کو قائم کیے ہوئے ہے۔

جب اخلاقی زوال، خود پرستی کی عبادت کرنے کا عمل اور جنسی آزادی انتہا تک پہنچ جائے، جب مرد اور عورت، نوجوان اور بوڑھے جنسی لذت میں کھو جائیں تو لوگ جنسی لذت کا بھی غلط استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا فطری نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ایک قوم مکمل طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔ لوگ اس طرح زوال پذیر قوموں کی ترقی اور خوشحالی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ یقیناً آگ کی اتھاہ گہرائی کے ایک بہت بڑے دہانے پر کھڑے ہیں، اور یہ تباہی تیز تر ہو رہی ہے، نہ کہ رک رہی ہے۔ جب کہ ان کا خیال ہے کہ ایک قوم اسی وقت خوش حالی پر ہوگی جب اس کے عوام انتہائی خود پرست ہوں گے۔ لیکن یہ دکھ بھرا نتیجہ ہے۔ جب تعمیری اور تخریبی قوتیں ایک ساتھ کام کر رہی ہوں اور مجموعی طور پر تعمیری قوت، تخریبی قوت پر برتری رکھتی ہو، تو تخریب کو تعمیری عوامل میں شمار کرنا درست نہیں۔

مثال کے طور پر ایک کامیاب مرچنٹ جس نے اپنی ذہانت اور تجربے کے سہارے اعلیٰ منافع حاصل کیا ہو، لیکن ایک ہی وقت میں اگر وہ شراب پیے، جوا کھیلے اور اپنی زندگی کے معاملات سے لاپرواہ ہو جائے تو یہ اس کی فلاح و بہبود اور خوش حالی کے لیے اپنی زندگی کی جانب سے گمراہ کن ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی خصوصیات کا پہلا حصہ جس سے اسے مدد مل رہی ہے، اس کی زندگی کا دوسرا پہلو اسے تیزی سے نیچے کی طرف لا رہا ہے۔ مثبت خصوصیات کی وجہ سے وہ اگر پھل پھول رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ منفی قوتیں اس پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ جوئے کی شیطانی لت ایک لمحے کے لیے اس کی زندگی میں خوش قسمتی لے آئے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شراب پینے کی شیطانی عادت کے نتیجے میں فیصلہ کرنے کے عمل کی ایک مہلک غلطی اسے مکمل دیوالیہ کردے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جنسی بے اعتدالی اسے قتل، خودکشی یا کسی اور مصیبت میں گرفتار کردے۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کس طرح کامیاب خوش حال لوگ ان برائیوں کا شکار ہوئے ہیں۔

اسی طرح کا معاملہ ایک قوم کے ساتھ بھی ہے۔ ابتدا میں ایک قوم تعمیری قوتوں کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ لیکن اس کے بعد مناسب رہنمائی کی کمی، اس کے چاروں جانب اس کی اپنی تباہی کے اسباب جمع کرنا شروع کردیتی ہے۔ کچھ لمحوں کے لیے تعمیری قوتیں پہلے ہی سے حاصل شدہ قوتوں کے ساتھ چلا پاتی ہیں، چوں کہ تخریبی قوتیں بھی اس کے ساتھ کام کر رہی ہوتی ہیں اس لیے وہ اسے اتنا کمزور کردیتی ہیں کہ ایک معمولی سا جھٹکا اسے وسیع و عریض گرداب میں دھکیل دیتا ہے۔

انسانیت کے لیے نجات کس طور ممکن ہے؟

سماجی ڈھانچے کے نقطہ نظر سے شریعت کی تعلیمات معاشرے کی اکائی اور خاندان کے کردار پر زور دیتی ہیں۔ خاندان بھی وہ جسے وسیع تناظر میں دیکھا جائے، نہ کہ جدید خاندانی تصور کے تحت۔ مدینہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عظیم سماجی کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے موجود قبائلی نظام کی حد بندیوں کو توڑا اور ایک ایسا متبادل مذہبی نظام تشکیل دیا جو ایک جانب مسلم امہ سے منسلک تھا تو دوسری جانب خاندان سے۔ ایک مسلمان خاندان پورے مسلم معاشرے کی جھلک ہے جس میں اس کی مضبوطی کا پتا چلتا ہے۔ اس میں باپ ایک رہنما یا امام کے طور پر اسلام کی فطرت کے مطابق اپنے کام انجام دیتا ہے، اس کے کاندھے پر اس کی مذہبی ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔

خاندان میں باپ کی حیثیت ایمانی اصولوں کی پاس داری کرانے والے، اور اس کی سربراہی کی حیثیت خدا جیسی اتھارٹی کی علامت کے طور پر ہے۔ ایک مرد خاندان میں اس لیے قابلِ عزت ہے کہ وہ خاندان کے افراد کی جائز خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔ کچھ اسلامی معاشروں میں بعض حلقوں کی طرف سے مسلمان خواتین کی بغاوت اُس وقت سامنے آئی ہے جب مردوں نے ان عورتوں کی مذہبی ضروریات کو پورا کرنا بند کردیا اور خاندان کی سربراہی کے کردار کو فراموش کردیا۔ مردوں کے غیر متاثر کن رویے کی وجہ سے خواتین میں بغاوت کا عنصر وقوع پذیر ہوا جس کے بعد انھوں نے خود کو کسی بھی مذہبی اتھارٹی سے آزاد کرلیا۔

ایک روایتی خاندان معاشرے کے استحکام کی اکائی ہے۔ ایک مسلمان چار شادیاں کرسکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح کعبے کے چار حصے ہیں۔ یہ استحکام کی علامت ہے۔ بہت سارے لوگ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکے کہ اسلام میں کثرتِ ازدواج کی اجازت کیوں ہے، اور کیوں ایسے خاندان کا نظام جائز ہے۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ غیر اخلاقی

ہے۔ کچھ لوگ اس اختلاط کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سماجی رویہ ہے جو تمام برے تعلقات کو ممکنہ حد تک کم کر دیتا ہے۔ مغربی افراد کے رویئے کا بنیادی مسئلہ مسلمانوں کے اس جدیدیت پسند معاشرے سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں جو خود تو شریعت کی تعلیمات کو سمجھ نہیں سکتے کیوں کہ وہ ان تصورات کو استعمال کرتے ہیں جو جدید مغرب سے مستعار لیے گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے مسلم معاشرے میں ایک چھوٹے سے لیکن اہم طبقے میں، خواتین کی جانب سے روایتی اسلامی معاشرے کے خلاف بغاوت سامنے آئی ہے۔ لیکن یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہر تہذیب میں ایک ردِعمل ہمیشہ سے موجودہ قوت کے خلاف آتا ہے۔ اسلام میں بہت زیادہ تذکیری نوعیت کی روایت موجود ہے۔ اس کی وجہ سے عورتوں میں ہونے والی بغاوت زیادہ پُرتشدد اور جارحانہ جدیدیت پر مبنی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندومت میں ماں کے رشتے سے منسلک تمام تعلقات مضبوط رہے ہیں۔ اسی لیے بہت سی مسلم خواتین خاندانی نظام کے مربوط سلسلے کو ڈھانے کی کوشش کر رہی ہیں، حتیٰ کہ یہ چودہ صدیوں کے خلاف بغاوت ہے۔ ان میں بیشتر کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ اسلام کی اندرونی قوتوں نے اس نظام کو کیسے چلایا ہے۔ اسلام کی مردانہ فطرت کے خلاف آج کل چند جدیدیت پسند مسلمان خواتین نے جس ردِعمل کا مظاہرہ کیا ہے وہ اگرچہ تعداد میں محدود ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مرد مغرب کی تمام چیزوں کے زیادہ پیاسے ہیں۔ وہ اپنے لباس اور عادات میں تیزی کے ساتھ جدید بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ عمل اُس وقت سامنے آتا ہے جب انسان گہرے نفسیاتی عوامل کو سمجھنے سے قاصر ہو جائے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے مردوں اور عورتوں کی برابری کا سوال بے معنی ہے۔ یہ گلاب اور چنبیلی کی برابری پر بحث کی طرح ہے۔ ہر ایک کی اپنی صورت اور خوب صورتی ہے۔ مرد اور عورت ایک جیسے نہیں ہیں، ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں۔ خواتین مردوں کے برابر نہیں ہیں، نہ ہی عورتوں کے برابر مرد ہیں۔ اسلام میں مسابقانہ کردار نہیں پایا جاتا، بلکہ اعزازی اختیار دیا گیا ہے۔ ہر ایک کو اس کی فطرت کے مطابق اپنے فرائض ادا کرنے ہیں۔

مرد کے پاس بعض مراعات جیسے سماجی حاکمیت، اور نقل و حرکت کی آزادی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انھیں کئی بھاری ذمہ داریاں ادا کرنی ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ تمام معاشی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خاندان کی کفالت کرے خواہ اس کی بیوی مال دار ہی کیوں نا ہو، تب بھی اس کی ذمہ داری پوری کرنا اس کا کام ہے۔ ایک روایتی اسلامی معاشرے میں عورت کو فکرِ معاش کے بارے میں فکرمند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کسی لڑکی کی شادی نہ ہوئی ہو تو اسے بڑے خاندان میں رہتے ہوئے پناہ حاصل ہوتی ہے، وہ سماجی اور معاشی دباؤ سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ وسیع خاندانی نظام میں ایک مرد اکثر اپنی بیوی، بچوں، بلکہ ماں، بہن، پھوپھیوں، سسرالیوں اور دور کے رشتہ داروں کی بھی معاونت کرتا ہے۔ شہری زندگی میں ایک فرد کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر قیمت پر وہ صاحبِ روزگار رہتا کہ اقتصادی ضروریات درست طریقے سے پوری ہوں اور اس کا بار عورتوں کے کندھے پر نہ پڑے۔ دیہی علاقوں میں ایک خاندان بذاتِ خود معاشی اکائی ہے۔ ان جگہوں پر ایک چھوٹا خاندان کسی بڑے خاندان یا قبائل کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔

دوم، ایک عورت کو شریکِ حیات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے اس بات کی چنداں فکر نہیں ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے ساتھی کو چننے کے لیے ہزار ہا منصوبے بنائے یا اپنے آپ کو قابل توجہ بنانے کی کوشش کرے۔ چوں کہ اس کی فطرت سچی ہے، اس لیے وہ اپنے والدین یا سرپرست پر بھروسا رکھتی ہے کہ وہ اس کے لیے ایک مناسب رشتے کا انتخاب کریں گے۔ یہ عام طور پر ایک مذہبی فرض کی ادائی اور مضبوط خاندانوں کی سماجی حدود کے احساس کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان میں طلاق شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ رشتے جو جذبات پر مبنی ہوتے ہیں، زیادہ دیر پا نہیں ہوتے۔

سوم یہ کہ مسلمان عورتیں براہِ راست فوجی اور سیاسی ذمہ داریوں سے مبرا ہیں، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے جب انھیں ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے۔ یہ نکتہ کچھ لوگوں کے لیے ایک محرومی تو ہوسکتا ہے لیکن نسوانی فطرت کی حقیقی ضروریات کی روشنی میں یہ خواتین کے لیے بہتر ہے کہ وہ ان بھاری ذمہ داریوں سے مبرا رہیں۔ حتیٰ کہ جدید معاشروں میں جہاں برابری کے عمل کے ذریعے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں تھا، جہاں کام کے اعتبار سے عورت اور مرد کو مساوی درجہ دیا گیا ہے وہاں خواتین عام طور پر انتہائی حالات میں سوائے فوجی خدمات کے کسی اور کام سے بچ نہیں پاتیں۔

ان مراعات کے بدلے جو مسلمان عورت کو حاصل ہیں، اس پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس میں سب سے اہم یہ ہے کہ وہ خاندان کو ایک گھر فراہم کرے اور بچوں کی مناسب طریقے سے پرورش کرے۔ گھر میں عورت ملکہ کے طور پر حکمرانی کرتی ہے جب کہ ایک مسلمان مرد ایک طرح سے گھر میں اپنی بیوی کا مہمان ہے۔ گھر اور بڑا خاندانی نظام دراصل مسلمان عورت کی دنیا ہے۔ اس کا ان تمام چیزوں سے الگ ہو جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے دنیا سے الگ ہو جانا، یا مر جانا۔ ایک عورت وسیع خاندانی نظام میں اپنے وجود کے معنی تلاش کر لیتی ہے اور اسے اپنی بنیادی ضرورت کا احساس اور خود کو زیادہ سے زیادہ تعمیری کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

شریعت انھیں یہ اعزاز بخشتی ہے کہ عورت اور مرد اپنی فطرت کے مطابق کام کریں۔ یہ کسی مرد کے سیاسی و سماجی اختیارات کو اس لیے استحقاق دیتا ہے کہ وہ بڑی ذمہ داریاں ادا کرے، اپنے خاندان کی حفاظت کرے اور ان کی معاشی ضروریات اور دیگر عوامل کی کفالت کرے۔ اگرچہ بڑے پیمانے پر اس دنیا میں خاندان کے سربراہان گھر میں اپنی بیوی کی حکمرانی کو تسلیم کرتے ہیں اور اس دائرے میں اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ باہمی افہام و تفہیم کے ذریعے خدا نے ان کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر رکھ دی ہیں۔ ایک مسلمان مرد اور عورت اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے خاندان تشکیل دیتے ہیں جو مسلم معاشرے کی بنیادی ساخت ہے۔ ثقافتی، اخلاقی اور روحانی اقدار کو زبردست طریقے سے رد کرنے اور خاندان کے ادارے کی مخالفت کرنے والی خواتین کی آزادی کی تحریک کی حمایت کرنے والوں نے اپنی پوری تہذیب یعنی عیسائی تہذیب کے ورثے کی مخالفت کی ہے۔ اس جاگیردارانہ معاشرے کی برائیوں اور پادریوں کی حاکمیت کے غلط استعمال کے باوجود قرونِ وسطیٰ کے یورپ نے ایک سماجی انضمام، استحکام، امن اور ہم آہنگی کا لطف اٹھایا ہے جو جدید یورپ کے لیے نامعلوم ہے۔ مشہور جرمن آرٹسٹ Albert Durer (۱۵۲۸ء۔۱۴۷۱ء) نے جو خود ایک کٹر عیسائی تھا، اپنی اور

ایک عیسائی خاندان کی اقدار کی چلتی پھرتی اور واضح تصویر پیش کی ہے جو اسلامی نظریات کے بے حد قریب ہے۔

نسوانیت پرست ہونے کے لیے حقوقِ نسواں کے علَم برداروں نے یک جنسی معاشرے کی تجویز دی۔ وہ معاشرہ جو جنسوں کے مابین ثقافتی اور سماجی امتیاز نہ رکھتا ہو... ایسا معاشرہ جو شادی کے بغیر ہو... گھر، خاندان، حیا، عفت اور مامتا جہاں دھتکارے جاتے ہوں... ایسا معاشرہ پیش رفت (Progress) اور آزادی (Liberation) کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل میں یہی تنزلی کی بدترین مثال ہے۔ اس کا نتیجہ صاف و خالص یہ ہے کہ وہ معاشرہ انتشار، افراتفری اور الجھن کا شکار ہوتا ہے۔

اگر ایسا ہے تو تحریکِ نسواں اتنی مقبول کیوں ہے؟

سماجی صف بندی جس کی بنیاد مادہ پرستی نے رکھی ہے، وہ قدیم ترین اور مقبول ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی سماجی نظام تسلی بخش نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس میں آسانی سے ایسا ارتقا وقوع پذیر ہوتا ہے جو فوری طور پر اکثریت کے لیے تمام حالات اور تمام زمانوں میں قابلِ قبول ہو جائے۔ موجودہ سماجی نظام کی کشش عوام میں ہے، اس لیے اس کی جڑیں اتنی گہری نہیں۔ نہ یہ انسانی ذہانت کی سطح بڑھانے میں معاون ہے، نہ کسی قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے، نہ اس میں انسان دوستی ہے، اور نہ یہ پائیدار ہے۔ تاریخ اس حقیقت پر گواہی دیتی ہے کہ کوئی بھی سماجی نظام تسلسل کے ساتھ انسانیت پر اثر رکھنے کے لیے نہیں آیا ہے، مگر اس نظام کے اثرات انسانی دنیا پر گہرے ہیں۔

اس نظام کے اثر سے کبھی ایسا اخلاقی بدحالی اور سماجی تنزل انسانوں پر عالمی سطح پر نہیں آیا، جیسا کہ اس وقت یہ مسئلہ درپیش ہے۔ حقوقِ نسواں کے آدرشوں کو اپنانے کے بعد انسان جانوروں سے بھی نچلے درجے پر آ گیا ہے۔ جانور بھی اپنی جبلت کے تحت زندہ رہتے ہیں اور وہ اپنی فطرت کے خلاف نہیں جاتے۔ جانوروں میں مادری تعلق اُس وقت عروج پر ہوتا ہے جب ان کے بچے اپنی حفاظت خود نہ کر سکیں۔ اکثر جانوروں میں نر اپنے بچوں میں دل چسپی نہیں لیتا۔ حیوانوں میں یہ تعلق حیا، عفت، شادی اور آبائی جیسا نہیں ہے۔ یہ رویّے صرف انسانوں کے لیے خاص ہیں۔ انسان ہر ثقافت، ہر تہذیب اور تاریخ میں ان رویوں کے گرویدہ رہے ہیں۔ نسائیت پرست ان خواص کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، جو تمام رشتوں اور سماجی بندھنوں کی بنیاد ختم کر دینے جیسا ہے۔ اس کا نتیجہ خودکشی ہوگا، بلکہ ایک ایسی تنہا قوم جس کا وجود نہ تو تاریخ، نہ انسانی نسل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ (مطبوعہ: فرائیڈے اسپیشل، 15 تا 21۔ 22 تا 28 مارچ۔ 2019ء، بتلخیص)

ہماری ''بعض'' این جی اوز اور تبدیلی مذہب کا مسئلہ

ابوبکر قدوسی

آپ نے الف نون ڈرامہ سیریل تو دیکھی ہوگی، اس میں ننھا جب پیٹ پر ہاتھ مار کے اسے پاپی پیٹ قرار دیتا ہے تو اس اک جملے میں ہماری تمام این جی اوز کی کہانی آ جاتی ہے جو معاشرے میں "الن" کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ مجھے ان معصوم دوستوں پر بہت ترس آتا ہے جو ان این جی اوز کو واقعی اقلیتوں ہمدرد، مظلوموں کا ساتھی اور عورت کے حقوق کی علمبردار سمجھتے ہیں۔

آج کل سوشل میڈیا پر سندھ میں تبدیلی مذہب کا ایشو گرم ہے۔ اس میں ہماری ان این جی اوز کا کردار خاصا مکروہ ہے، ہمیشہ کی طرح یہ تنظیمیں اپنے پاپی پیٹ کی خاطر ہندوؤں کی قیمت وصول کر رہی ہیں۔

پہلی بات تو یہ یاد رکھیے کہ اسلام میں کسی کا جبراً مذہب تبدیل کرنا مکمل حرام ہے اور کوئی معمولی دینی معلومات رکھنے والا یہ کام اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ ثواب نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے۔ بالفرض اگر یہ جہالت اگر کوئی کرتا بھی ہے تو ایسا ممکن نہیں کہ یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری رکھا جا سکے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ سب ہو بھی سندھ میں رہا ہے۔
اب آتے ہیں تصویر کے دوسرے اور اصلی رخ کی طرف:

حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات میں لڑکے اور لڑکی کا عشق ہوتا ہے، جس کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ بھاگ کے شادی کرتے ہیں، اس کے لیے ان کے پاس واحد صورت یہی ہوتی ہے کہ اسلام قبول کر لیں۔

یہاں تو یہ حالت ہے کہ نیچ برادری کا لڑکا اور اعلی برادری کی ہندو لڑکی کو عشق ہو جائے تو ان کے لیے یہی صورت بچتی ہے کیونکہ ہندو برادری میں نیچ ذات ملیچھ یعنی پلید خیال کی جاتی ہے، اس لیے لڑکے لڑکی کے لیے یہ طے شدہ یعنی ''انڈر سٹوڈ'' ہوتا ہے کہ ان کا ملن نہیں ہو سکتا۔ سو اسلام ہی ان کے لیے واحد راستہ بچتا ہے کہ جہاں اصولی طور پر ذات پات شادی کا معیار نہیں ہے۔

اور شاید آپ کو عشق نہیں ہوا، یہ عشق نہ ذات پوچھتا ہے نہ مذہب۔۔ سو حکومت کا قانون کیا شے ہے؟ جب یہ بھاگ بگھا ئیے کی شادی ہو جاتی ہے تو والدین اغوا یا جبری مذہب تبدیلی کا پرچہ کٹوا دیتے ہیں۔ دلچسپ قصہ تب ہوتا ہے جب صوبہ بدلتا ہے۔ اگر تو مسلمان لڑکی مسلمان لڑکے سے مل کر بھاگتی ہے تو ہماری این جی اوز لڑکی کے پیچھے کھڑی ہوتی ہیں کہ جی لڑکی کا بھاگنا حق تھا، بھلے کریم بائیک کروا کے نکلے۔ اور اگر صوبہ سندھ ہو اور لڑکی ہندو، تو یہی این جی اوز لڑکی کے ماں باپ کی ہمدرد ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہاں والدین کا سٹینڈ اغوا کے ساتھ ساتھ مذہب کی جبری تبدیلی کا بھی ہوتا ہے۔ اب جبری تبدیلی مذہب شور ہوتا ہے۔

جنہاں عشق ہڈی رچیا، اور ہندے چپ چپیندے ہو

اور اسی چپ چاپ میں وہ بھاگ لیتے ہیں اور مذہب تبدیل کر کے شادی کر لیتے ہیں، اور ہماری این جی اوز کو مزید بزنس مل جاتا ہے۔

اندازہ کیجیے کہ ان این جی اوز کا کردار کس قدر مکروہ ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ روتے ہوئے آئیں تو ان کے دل نہیں پسیجتے، لیکن اگر یہی ماں باپ ہندو ہوتے ہیں تو پیمانے بدل جاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ پیمانے کیوں بدلتے ہیں؟

تو جناب وہ پاپی پیٹ کا چکر ہے۔ پاکستان کا امیج خراب کرنا، یہاں موجود اقلیتوں پر مفروضہ مظالم کی کہانیاں گھڑنا اور ان کہانیوں کے عوض پاپی پیٹ کی خوراک حاصل کرنا، پھر یورپ کے عالی شان ہوٹل، میامی کے ساحل، وہاں کے شاپنگ مالز، کس کس ''نعمت'' سے یہ ضمیر کے ہاتھوں منہ موڑیں گے؟ سو ضمیر رہن رکھ کے مادرِ وطن کی عزت کو بیچ دیتے ہیں۔

آخر میں برادر عبدالسمیع قائمخانی کی بیان کردہ کہانی پڑھ لیجیے، آپ کے سامنے ساری حقیقت کھل جائے گی:

''رانی کولہی بنت روپو کولہی اپنے ماموں کے پاس قیام پذیر تھی۔ کولہیوں کے گاؤں کا نام گوٹھ شگن کولہی ہے جو ضلع عمر کوٹ کی تحصیل کنری میں واقع ہے۔ رانی ذات کی کولہی تھی، وہ بھی نچلی ذات کی، باقی خواتین کی طرح کھیتوں میں کام کرتی تھی۔ کرشن ذات کا بھیل تھا اور اس کا بھی ان ہی کھیتوں میں آنا جانا تھا، ان ہی کھیتوں میں دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں، معاملہ حدودِ عشق سے ہوتا ہوا منتہاءِ عشق یعنی شادی کے بندھن کے وعدے پر پہنچا۔

اب معاملہ یہ تھا کہ لڑکا ذات کا بھیل اور لڑکی کولہی، ذات پات کی اعداد و شمار میں کولہی سب سے آخر ہیں اور بھیل نیچے سے دوسرے نمبر پر، لڑکا اپنی سے نچلی ذات کی لڑکی سے پسندیدگی اور پھر شادی کی بات اپنے گھر میں نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا ''نہ رلیے نہ وسیے چنگے پھسیے''۔ کرشن نے کراچی میں مقیم اپنے کاکا (یعنی چاچا) سے اس سارے معاملہ کا ذکر کیا، کاکا نے مشورہ دیا کہ لڑکی کو لے کر پہلے میر پور خاص آجائے تو دونوں کی شادی کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

28 جولائی کو دونوں صبح سویرے پہلے میر پور خاص اور پھر حیدر آباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ بھلا ہو زیرِ تعمیر موٹروے کا کہ 3 گھنٹے کا راستہ 6 گھنٹوں میں طے ہوا، سہراب گوٹھ اتر کو کرشن نے اپنے کاکا کو فون گھمایا اور اپنے پہنچنے کی خبر دی، کاکا نے ٹیکسی پکڑ کا سائٹ ایریا حبیب بینک چورنگی کے قریب واقع جامعہ بنوریہ پہنچنے کا کہا۔ کرشن اور رانی بنوریہ پہنچے تو وہاں اس کا چچا خمیسو اس کا انتظار کر رہا تھا۔

خمیسو نے کرشن کے ہاتھ میں 20 ہزار روپے دیے اور کہا کہ ''دیکھ بیٹے! پیسے سنبھال کر استعمال کرنا، آج سے تم دونوں مسلمان ہو جاؤ گے، لیکن میں ہندو ہی رہوں گا، اور آج کے بعد میرا تمھارا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ جاؤ اپنی زندگی جی لو''۔ 30 سالہ کرشن اور 25 سالہ رانی جامعہ بنوریہ میں مسلمان ہوئے۔ رانی رضیہ ہوگئی اور کرشن عمر ہوگیا اور وہیں دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ 29 جولائی 2016ء کے اخبارات میں دونوں کے مسلمان اور پھر شریکِ حیات بننے کی خبریں موجود ہیں۔ اپنے آباء واجداد کے مذہب میں ذات پات کی پابندی کی وجہ سے تحفظ نہ ملنے پر دونوں ہندو مسلمان ہوئے۔ کہیں کوئی شور شرابہ نہیں ہوا، کوئی موم بتی مافیا نہیں نکلی، کسی اسمبلی میں کوئی شور نہیں ہوا''۔

نعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یوسف طاہرؔ قریشی

حضورؐ نے جہاں کا ایک ایک غم مٹا دیا
قدم قدم پہ ہو رہا تھا جو ستم مٹا دیا
رسولِ پاکؐ نے وہ یاد کس طرح کرا دیا
سبق جو اتحاد کا بشر نے تھا بھلا دیا
ہٹے ہوئے تھے لوگ جس صراط مستقیم سے
نبیؐ نے خوش سلیقگی سے سب کو وہ دکھا دیا
غلط حروف کی طرح مٹائے کفر زار سب
قدم قدم پہ وحدتوں کا گلستاں کھلا دیا
پریم پیار کا پیام لائے پاک مصطفیؐ
بشر بشر کو کوبکو نگر نگر سنا دیا
میرے رسولِ پاکؐ کی جدھر جدھر نظر اٹھی
ادھر ادھر کرم کا دیپ جابجا جلا دیا
نشاط و انبساط کی بساط ایک بچھ گئی
دکھوں کی لہر کو خوشی کی ریت پر سلا دیا
غرور ، عاجزی کی نرم بانہوں میں سمٹ گیا
کرم کے ابر نے غبارِ معصیت ہٹا دیا
شقاوتیں سعادتوں کے سامنے پگھل گئیں
وفاؤں نے جفاؤں کے دباؤ کو دبا دیا
حقارتوں کو الفتوں کے گھر میں نیند آ گئی
اطاعتِ رسولؐ نے نصیب کو جگا دیا
خدا نے جس کی نذر کی تمام کائنات یہ
خدا کا لاکھ شکر ہے ہمیں وہ مصطفیؐ دیا
جسے شجر حجر بھی آئیں پیش احترام سے
اے طاہرؔ حزیں! ہو خوش تجھے وہ رہنما دیا

حضرت عطاء المؤمن بخاری کے سانحہ وفات کے ایک برس بعد

پروفیسر خالد شبیر احمد

کیا افتخارِ عشق تھا وہ شوکتِ جنوں — وہ داستانِ سطوتِ کردار کا فسوں
ہم سے بچھڑ کے کھو گیا وہ دُرِّ تاب دار — ملکِ عدم کا ہو گیا وہ اپنا افتخار
حرفوں میں اس کے چاندنی سوز و گداز کی — ہر بات ہی انوکھی تھی اس پاکباز کی
جذب و جنون و عشق کی بہار پُروقار — اس دور میں اسلام کی اک تیغِ تابدار
اس کے خیال و فکر میں قوسِ قزح کے رنگ — طرزِ بیاں میں اُس کے تھی ایمان کی ترنگ
آزادؔ پر نثار تو افضلؔ کا خوشہ چیں — الفاظ اُس کے موتی تھے اور حرف سب نگیں
وہ تو کتابِ عشق کا مکمل ہی ایک باب تھا — جذب و جنون و عشق کا گویا نصاب تھا
اسلافِ باصفا کی تھا تصویر ہو بہو — شبنم سا اُس کا لہجہ تھا حرف اس کے باوضو
سر دھنتے سامعین تھے اس کے بیان پر — اس کی خطابتوں کا تھا چرچا نگر نگر
فکر بلند اُس کی، اک دھوپ آفتاب کی — سوزِ سخن سے آتی تھی خوشبو گلاب کی
شعر و سخن میں یکتا تھا بے مثل و با کمال — تھا افتخار شوق وہ عظمت سے مالا مال
نازاں رہا اس پہ ہاں تقریر کا بھی فن — اس کی خطابتوں کا رہا معترف وطن
وہ انتہائے شوق میں جاں سے گزر گیا — ڈھونڈے ہے اُس کو جی میرا جانے کدھر گیا
وہ کیا گیا جہاں سے وفا ختم ہو گئی — ''صرصر کی چوٹ کھا کے صبا ختم ہو گئی''
احرار کے سالار کا فرزندِ ارجمند — محتاج و بے نوا کا تھا دل سے درد مند
بوذرؓ پہ تھا فدا تو محسنؓ کا ہم نوا — احرار کے جیوش کا کیا خوب رہنما
خالدؔ کہوں میں کیا کہ وہ کامل نظر بھی تھا — دنیائے آگہی کا وہ شمس و قمر بھی تھا

مردہ بدست زندہ

فرحت اللہ بیگ

زمانے نے خلوص دلوں سے مٹالیا ہے۔ سچی محبت کی جگہ ظاہرداری نے لے لی ہے۔ نہ اب جینے میں کوئی سچے دل سے کسی کا ساتھ دیتا ہے اور نہ مرنے کے بعد قبر تک دلی درد کے ساتھ جاتا ہے، غرض دنیاداری ہی دنیاداری رہ گئی ہے۔ پہلے کوئی ہمسایہ مرتا تھا تو ایسا رنج ہوتا تھا کہ گویا اپنا عزیز مرگیا ہے، اب کوئی اپنا بھی مرجائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مرگیا۔ جنازے کے ساتھ جانا اب رسمأ رہ گیا ہے، صرف اس لیے چلے جاتے ہیں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ واہ، جیتے جی تو دوستی و محبت کا یہ دم بھرا جاتا تھا، مرنے کے بعد پھر کر بھی نہ دیکھا کہ کون مرگیا۔ اب رہی دل کی حالت، تو اس کا بس خدا ہی مالک ہے۔ آیئے، میرے ساتھ آیئے، آج کل کی میّتوں کا رنگ بھی دکھادوں۔

یہ لیجیے سامنے ہی کے مکان میں کسی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ کوئی بڑے شخص ہیں، سینکڑوں آدمی جمع ہیں، موٹریں بھی ہیں، گاڑیاں بھی ہیں، غریب بھی ہیں، امیر بھی ہیں، بے چارے غریب تو اندر جا بیٹھتے ہیں، کچھ پڑھ بھی رہے ہیں، جتنے امیر ہیں وہ یا تو اپنی اپنی سواریوں میں بیٹھے ہیں یا دروازے پر کھڑے سگریٹ پی رہے ہیں۔ جو غریب آتا ہے، وہ سلام کرتا ہوا اندر چلا جاتا ہے۔ جو امیر آتا ہے، وہ ان باہر والوں ہی میں مل کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پہلا سوال یہی ہوتا ہے، کیا مر گئے؟ بھی ہمارے تو بڑے دوست تھے۔ اتنا کہا اور اپنی جیب سے سگریٹ کا بکس یا پانوں کی ڈبیا نکالی۔ لیجیے تعزیت ختم ہوئی اور رنج دلی کا اظہار ہو چکا۔ اب دنیا کے قصے چھڑے۔ ایک دوسرے سے نہ ملنے کی شکایت ہوئی، دفتر کی کارروائیاں دریافت کی گئیں، ملک کی خبروں پر رائے زنی ہوئی، غرض اس بات چیت کا یہاں تک سلسلہ کھنچا کہ مکان سے جنازہ نکل آیا۔ یہ دیکھتے ہی دروازے کی بھیڑ چھنٹ گئی۔ کچھ ادھر ہو گئے، کچھ ادھر۔ آگے جنازہ ہے، اس کے پیچھے پیچھے یہ سب لوگ ہیں۔ ابھی چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ ان ساتھ والوں میں تقسیم ہونی شروع ہوئی اور چپ چاپ اس طرح ہوئی کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کب ہوئی اور کیونکر ہوئی۔ جن کو پیچھے رہنا تھا، انھوں نے چال آہستہ کردی، جنھیں ساتھ جانا تھا وہ ذرا تیز چلے۔ غرض ہوتے ہوتے یہ ساتھ والے تین حصوں میں بٹ گئے۔ آگے تو وہ رہے جو مرنے والے کے عزیز تھے یا جن کو جنازہ اٹھانے کے لیے اجرت پر بلایا گیا تھا، اسی کے پیچھے وہ لوگ رہے جن کے پاس یا تو سواریاں نہ تھیں یا شرما شرمی پیدل ہی جانا مناسب سمجھتے تھے۔ آخر میں وہ طبقہ ہوا جو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہٹتا اپنی سواریوں تک پہنچ گیا اور ان میں سوار ہوگیا۔ اگر پیدل چلنے والوں میں کوئی عہدے دار ہیں تو غرض مندوں سے ان کو یہاں بھی چھٹکارا نہیں۔ ایک آیا، جھک کر سلام کیا، گھر بھر کی مزاج پُرسی کی، مرنے والے کے کچھ واقعات بیان کیے، اگر ڈاکٹر کا علاج تھا، تو ڈاکٹری کی برائیاں کی، اگر حکیم کے علاج سے مرا ہے تو طبابت کی خرابیاں ظاہر کیں اور اسی سلسلے میں اپنے واقعات بھی بیان کر گئے۔ ان سے پیچھا نہ چھٹا تھا کہ دوسرے صاحب آ گئے اور انھوں نے بھی وہی دنیا بھر کے قصے شروع کیے۔ غرض اسی طرح جوڑی بدلتے بدلتے مسجد تک پہنچ گئے۔ یہاں

ہمراہیوں کی پھر تقسیم ہوتی ہے۔ایک تو وہ ہیں جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی پڑھیں گے اور دوسرے وہ ہیں جو نہا دھو کر کپڑے بدل کر خاص اسی جنازے کے لیے آئے ہیں، تیسرے وہ ہیں جو اپنی وضع داری پر قائم ہیں، یعنی نماز نہ کبھی پڑھی ہے اور نہ اب پڑھیں گے۔دور سے مسجد کو دیکھا اور انھوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔جنازہ مسجد تک پہنچا بھی نہ تھا کہ ان کو کسی دیوار، کسی موٹر یا کسی گاڑی کی آڑ مل گئی۔یہ وہیں کھڑے ہوگئے اور سگریٹ پی کر یا پان کھا کر انھوں نے وقت گزار دیا۔ہاں، اس بات کا انتظام رکھا کہ نماز ختم ہونے کی اطلاع فوراً مل جائے، ادھر نماز ختم ہوئی، ادھر یہ لوگ مسجد کے دروازے کی طرف بڑھے۔ادھر جنازہ نکلا، ادھر یہ پہنچے۔بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نماز پڑھ کر مسجد ہی سے نکل رہے ہیں۔

یہ تو ساتھ والوں کا حال ہوا۔اب راستے والوں کی سنیے۔اگر میت کے ساتھ صرف دو چار آدمی ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کون جیا، کون مرا۔اگر جنازے کے ساتھ بڑے بڑے لوگ ہوئے تو دکان والے ہیں کہ ننگے پاؤں بھاگے چلے آ رہے ہیں۔آئے، مرنے والے کا نام پوچھا، مرض دریافت کیا اور واپس ہوگئے۔گویا میونسپل کمیٹی نے رجسٹر حیات و ممات ان ہی کے تفویض کر دیا ہے اور صرف اس لیے نام پوچھنے آئے تھے کہ رجسٹر میں سے مرنے والے کا نام خارج کر دیں۔موٹر نشینوں کی کچھ نہ پوچھو۔یہ تو سمجھتے ہیں کہ سڑکیں انھی کے لیے بنی ہیں، کسی جنازے کا سڑک پر سے گزرنا ان کو زہر معلوم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو، موٹر کی رفتار دھیمی کرنی پڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ رفتار کم کرنے سے پٹرول کا نقصان ہے۔کسی کو کیا حق ہے کہ مرکر ان کے پٹرول کا نقصان کرے۔شوفر ہے کہ ہارن پر ہارن بجا رہا ہے، لوگ ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہیں، جنازہ ہے کہ ٹیڑھا ترچھا ہو رہا ہے، مگر موٹر والے صاحب کی موٹر جس رفتار سے آ رہی ہے، اسی رفتار سے نکلے گی اور ضرور نکلے گی۔یہ لوگ تو وہ ہیں کہ قیامت آئے گی تو اس کو بھی ہارن بجا بجا کر سامنے سے ہٹانے کی فکر کریں گے۔خیر، کسی نہ کسی طرح یہ تمام مصیبتیں اٹھا کر جنازہ قبرستان میں پہنچ ہی گیا ہے۔

قبرستانوں کی حالت پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے، جائے عبرت کو جائے وحشت بنا دیا ہے، قبرستان کیا ہے، خاص ایک جنگل ہے۔ایک طرف ٹوٹی پھوٹی ہوئی ایک جھونپڑی پڑی ہے۔اس میں سقے صاحب، ان کی بیوی، دس بارہ بچے، پانچ چھے بکریاں، ایک لنگڑا ٹٹو، سو دو سو مرغیاں، پانچ چھے بلیاں اور خدا معلوم کیا کیا بلیات بھرے پڑے ہیں۔جس حصے میں قبریں ہیں، وہاں کی گھاس بڑھ کر کمر کمر ہوگئی ہے۔دیواروں کو توڑ کر لوگوں نے راستے بنا لیے ہیں، کوئی قبر دھنس کر کنواں بن گئی ہے، کسی کا تعویذ غائب ہے، کسی چبوترے کی اینٹیں نکل کر جھونپڑی میں خرچ ہوگئی ہیں۔غرض کسمپرسی نے اس حصے کی عجیب حالت کر دی ہے۔ دوسرا حصہ جس میں قبریں نہیں ہیں، وہ کسی قدر صاف ہے اور کیوں نہ ہے، پہلے حصوں کا مُردوں سے تعلق ہے اور دوسرے کا زندوں سے۔مردے تو اپنی قبر کی مرمت کرنے یا کرانے سے رہے، ان کے جو عزیز ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اس فضول چیز پر کون کون، کیا کچھ خرچ کرے۔جن کی زمین ہے، وہ تو روپئے کھرے کر چکے، ان ان کو اس سے کیا تعلق۔دوسرے حصے کا صاف رکھا جانا اصول تجارت پر مبنی ہے، جب گاہکوں کو گھیرنے کے لیے دکاندار اپنی ایک ایک چیز جھاڑ پونچھ کر رکھتا ہے تو یہ قبرستان والے اپنی پچاس روپے گز والی زمین کو کیوں صاف نہ رکھیں۔خریدتے وقت اچھا مال دیکھ لو، پھر تم جانو اور تمھارے مردے جانیں۔

میاں سقے رہتے تو قبرستان میں ہیں، مگر ہمیشہ پھولوں کی سیج پر سوتے ہیں۔ادھر لوگ قبر پر پھول چڑھا کر گئے اور

ادھران کے بچے سب کے سب سمیٹ لائے۔ رات بھر یہ پھول بستر پر رہے، صبح باسی پھول لے جا کر پھر قبر پر چڑھا دیے، خیر کیا حرج ہے، زندوں کا کام بھی نکل گیا، مردے بھی خوش ہو گئے۔ اس گھر میں سل بٹا خریدنے کی کبھی نوبت نہ آئی، قبر کے اچھے سے اچھے پتھر پر مسالا پیس لیا۔ اگر کچھ دنوں کوئی دیکھنے بھالنے نہ آیا تو پتھر اکھاڑ، جھونپڑی کے پاس لا رکھا۔ بکریاں قبروں پر قلانچیں مارتی پھرتی ہیں، مرغیاں کچی قبروں کو کرید کر رہی ہیں۔ بچے یا تو چبوتروں پر لوٹ مار رہے ہیں یا تعویذوں کو گھوڑا بنائے بیٹھے ہیں۔ بچیاں قبروں پر بیٹھی اینٹیں اور ٹھیکرے پیس رہی ہیں، کسی بے چارے کی قبر پر چادر پڑی ہے، اس پر بی سقنی نے گیہوں سکھانے ڈال دیے ہیں۔

ٹٹوانی کو ایک اگلی اور ایک پچھلی ٹانگ باندھ کر چھوڑ دیا ہے۔ وہ قبروں میں گھاس چرتی پھرتی ہے، اس کے ادھر ادھر پھدکنے سے کسی قبر کی اینٹ گری، کسی کا چونا گرا، کسی کا پتھر گرا، اگر ایسے ہی چار پانچ گھوڑے چھوڑ دیے جائیں تو تھوڑے ہی دنوں میں وہی منظر بن جائے جو زلزلے کے بعد کانگڑے کا ہو گیا تھا۔

جنازہ قبرستان کیا گیا، فوج میں ترم بج گیا۔ سقے کا سارا خاندان اپنا اپنا کام چھوڑ، جھونپڑی میں گھسا اور اناج لینے کو برتن لے، لائن باندھ کر آ بیٹھا۔ کسی کے ہاتھ میں بے پیندے کا تام چینی کا کٹورا ہے، تو کسی کے پاس ٹوٹی رکابی، کسی کے پاس مٹی کا پیالہ ہے تو کسی کے ہاتھ میں ٹوٹا ہوا چھاج۔ سچ ہے، خدا رزاق ہے، قبرستان والوں کو بھی گھر بیٹھے رزق پہنچاتا ہے۔

یہ تو قبرستان والوں کی حالت ہوئی، اب ساتھ والوں کی کیفیت سنیے۔ جنازہ لا کر لبِ گور، رکھ دیا گیا۔ ایک آتا ہے، قبر کو جھانک جاتا ہے۔ دوسرا آتا ہے، جھانک جاتا ہے۔ ہر شخص کو زمین سخت ہونے کی شکایت ہے۔ کوئی مزدوروں کو سست کہتا ہے، کوئی پٹاؤ کا نقص بتاتا ہے، کوئی قبرستان والوں کو برا کہتا ہے۔ جب اس ریویو سے بھی فراغت پائی تو دو دو تین تین آدمی ایک ایک قبر پر جا بیٹھے۔ چبوترے کو تخت بنایا اور تعویذ کو گاؤ تکیہ اور لگے سگریٹ اور بیڑی کا دم لگانے، کسی نے سقے سے چلم بھرنے کی فرمائش کی، اس نے حقہ تازہ کر، سلفہ بھر، حاضر کیا۔ حقے مزلے لے لے کر پیے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی تواضع کی جا رہی ہے، سلفے پر سلفہ بھروایا جاتا ہے اور یہ وقت کسی نہ کسی طرح کاٹا جاتا ہے۔ یہ توفیق نہیں ہوتی کہ کچھ خدا کی یاد کریں یا ان خفتگان خاک کی حالت دیکھ کر عبرت ہی حاصل کریں۔

بعض لوگ ہیں کہ گھاس سے بچتے بچاتے، قبروں پر کودتے پھاندتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ کون ہیں، یہ وہ صاحب ہیں جن کے مرے ہوئے عزیزوں کے آج دن پھرے ہیں۔ یوں تو خدانخواستہ فاتحہ کو کیوں آنے لگے، آج شرما شرمی قبرستان میں آ گئے۔ مفت کرم داشتن کی صورت ہے، چلو فاتحہ بھی پڑھ لیتے ہیں، اس کے بعد جب کوئی دوسرا عزیز یا دوست مرے گا تو پھر دیکھا جائے گا۔

ایک صاحب ہیں کہ قبروں کے کتبے ہی پڑھتے پھر رہے ہیں، کچھ نوٹ بھی کرتے جاتے ہیں، کوئی اچھا کتبہ مل گیا تو اپنے دوستوں کو بھی آواز دے کر بلا لیا اور بجائے فاتحہ کے دادِ سخن گوئی دی گئی۔ کچھ اپنا کلام سنایا، کچھ ان کا سنا، غرض کوئی نہ کوئی مشغلہ وقت گزارنے کو نکال ہی لیا۔

جو لوگ چبوتروں پر متمکن ہیں، ان کی کچھ نہ پوچھو۔ ہر چبوترہ ایک پارلیمنٹ ہے اور قبر ایک کانگریس کا اجلاس۔

دنیا بھر کی خبروں پر تنقیح وتنقید ہورہی ہے، دفتر کی کارروائیوں پر بحث ہورہی ہے، افواہوں کے ذرائع اور ان کی تصدیق وتردید کی جارہی ہے، سفارشیں ہورہی ہیں۔ وعدے لیے جارہے ہیں، غرض سب کچھ ہورہا ہے، نہیں ہورہا تو وہ جو ہونا چاہیے اور جس غرض سے ساتھ آئے ہیں۔

خیر، خدا خدا کر کے خبر آئی کہ قبر تیار ہے، کچھ تو اٹھ کر قبر کے گرد جا کھڑے ہوئے، کچھ وہیں بیٹھے رہ گئے۔ ایک صاحب نے قبر میں اتر کر گلاب اور عود چھڑکا۔ ایک نے میت کے اوپر کی چادر سمیٹی، چادر میں بل دیے۔ دو صاحبوں نے مٹھے کے سرے پکڑ کر میت کو اٹھایا۔ آٹھ دس نے غل مچایا ''سنبھال کے، سنبھال کے! میت بھاری ہے، کمر کے نیچے چادر دو۔ ارے میاں! اپنی طرف گھسیٹو، آہستہ سے آہستہ سے''۔ اب میت قبر کے منہ تک آگئی۔ فقیروں یا یوں کہو کہ مفت خوروں کو اناج تقسیم ہونے لگا اور قبر کے گرد جو لوگ کھڑے تھے، انھوں نے بے تحاشا غل مچانا شروع کیا۔ کوئی کہتا ہے، ذرا کمر کی چادر کھینچو۔ ارے بھئی! اتنا بھی دم نہیں ہے، دیکھنا کہیں قبر کا پاکھا (پہلو، بازو) نہ گرے۔ ہاں، ہاں ذرا اور جھکا کر۔ لا الٰہ الا اللہ! میت بھاری ہے۔ ذرا سنبھال کے، آہستہ آہستہ، بس بھئی بس! کوئی چیخ رہا ہے ''مٹھے کے بندھن کھول دو۔ ارے میاں لو، یہ ڈھیلا لو، سر کے نیچے رکھ کر منہ قبلے کی طرف کر دو۔ واہ بھئی واہ، اتنا بھی نہیں آتا۔ ابھی منہ پورا نہیں پھرا۔ بس بھئی بس''۔

یہ مختلف فقرے ایک زبان سے نہیں نکلتے کہ کچھ سمجھ میں بھی آئے۔ ہر شخص ہے کہ غل مچارہا ہے، جو بے چارے قبر میں اترے ہیں، وہ پریشان ہیں کہ کیا کریں، کیا نہ کریں۔ بہرحال اس غل غپاڑے کے ساتھ دوست واحباب اس مرنے والے کو پہلی منزل تک پہنچا ہی دیتے ہیں۔ اب پٹاؤ (قبر بند کرنے کے تختے) کی نوبت آتی ہے۔ اس میں بھی وہی گڑبڑ شروع ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے ''یہ کڑی نہیں وہ کڑی لو''۔ کوئی کہتا ہے ''لاحول ولاقوۃ! مفت میں سو روپے مار لیے اور کڑیاں دیں تو ایسی''۔ غرض کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ اور اسی گڑبڑ میں پٹاؤ بھی ہو جاتا ہے اور مٹی دینے کی نوبت آتی ہے۔ مٹی تو ہر ایک دیتا ہے، منہ سے بھی ہر ایک بڑبڑاتا ہے، لیکن یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ جو پڑھنا چاہیے، وہ پڑھتا بھی ہے یا نہیں۔ البتہ لفظ ''منہا'' بہت اونچی آواز میں کہا جاتا ہے اور باقی سب الفاظ منہ ہی منہ میں ختم کر دیے جاتے ہیں۔ جب اس کام سے فراغت پائی اور قبر تیار ہوگئی، تو فاتحہ کی نوبت آئی۔ ساتھ آنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس میں شریک نہ ہو۔ ہونٹ تو سب کے ہلتے ہیں، مگر شاید سو میں بیس بھی نہ ہوں گے، جو یہ جانتے ہوں کہ فاتحہ میں کیا کیا سورتیں پڑھتے ہیں۔ فاتحہ پڑھتے ہی سب کو اپنے اپنے گھر جانے کی سوجھی یہ بھی پھر کر نہ دیکھا کہ مرنے والے کے اعزہ کون ہیں اور ان کی کیا حالت ہے۔ ہاں، ان بے چاروں کو گھیرتے ہیں تو جنازہ لانے والے مزدور۔ گھر سے چکا کر لائے تھے، مگر یہاں آکر وہ بھی پاؤں پھیلاتے ہیں۔ کبھی تو کہتے ہیں ''فاصلہ بہت تھا''۔ کبھی کہتے ہیں کہ ''آپ کی وجہ سے دوسری میت کو چھوڑ کر آئے ہیں، وہاں آپ کے ہاں سے دگنا مل رہا تھا''۔ بہرحال، ان مصیبت زدوں کو دق کر کے یہ مزدور کچھ زیادہ ہی لے مرتے ہیں۔

دیکھ لیا آپ نے اس زمانے کی میت کا رنگ! جو میں نے عرض کیا تھا وہ صحیح نکلا یا نہیں؟ اب سوائے اس کے کیا ہو کہ خدا سے دعا کی جائے کہ اللہ اپنے ان بندوں کو نیک ہدایت دے، ان کے دل میں درد پیدا کرے۔ یہ سمجھیں کہ احکام کیا ہیں؟ اور ہم کیا کر رہے ہیں؟

میرا افسانہ قسط: ۷

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

فاقہ کشی:

اب میں ملزم سے مجرم بن گیا تھا۔ لباس جیل سے بندہ کو بندر بنانے کی کسر باقی تھی۔ شام کے قریب بھگت سنگھ کو چہل قدمی کے لیے کھولا گیا، اس کے ہاتھوں میں آبلے اور آنکھیں نم ناک تھیں۔ عام طور پر اکثر اضلاع میں نمبردار نادار ہوتا ہے، مگر آپ کھاتے پیتے گھر کے خاصی جائیداد کے تن تنہا وارث تھے اور بیوہ ماں کے ایک ہی بیٹے تھے۔ تحریک ترک موالات سے قبل آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی، بوٹ سوٹ، کالر، نکٹائی سے کام تھا۔ افسر جس کے ہم رکاب ہوتے ماتحت معلوم ہوتا۔ معافی موت تھی اور مشقت دشوار، بے چارہ وحیران تھا۔ میں نے انھیں ڈھارس دی، وقت کو خوش طبعی میں ٹالا، میری کوشش رائیگاں نہ گئی۔ آپ پل بھر کے لیے ''تان توڑ خان'' بن گئے۔ بہ آواز بلند شبد گانے لگے ؎

اساں نہیں چھڈناں سوراج سیس تک کر دینا قربان

جیہڑا حوالات دا جنگلہ ہے او قیدیاں دا بنگلہ ۔۔۔ جتھے کرنی ہے گزران سیس تک کر دینا قربان

اساں نہیں چھڈناں سوراج سیس تک کر دینا قربان

ہتھکڑی دا گہنا اساں پا محلاں وچ بہنا ۔۔۔ ودھے دونی اساں دی شان سیس تک کر دینا قربان

اساں نہیں چھڈناں سوراج سیس تک کر دینا قربان

جیہڑی چھرنی دی اسواری اوہ ورزش ہے ہماری ۔۔۔ رہے تکڑی اساڈی جان سیس تک کر دینا قربان

اساں نہیں چھڈناں سوراج سیس تک کر دینا قربان

اگرچہ خوش گلوئی کی نعمت خدا نے عطا نہیں کی تھی، مگر میں وجد میں آ کر جھومنے لگا۔ اتنے میں داروغہ نے آن کر ڈانٹا اور تنبیہ کی۔ دوسری صبح انھیں دیکھ کر معلوم ہوا کہ ساتھی زیادہ ساتھ نہ دے سکے گا، بعد میں آپ طعنوں پر اتر آئے کہ آپ آج حلوا اڑائیں گے۔ مجھے بجائے رنج کے دل پر ٹھیس سی لگی، کیونکہ میں اس مصیبت کا محرک تھا، میری سرگرمیاں ہی انھیں میدان وفا میں لائی تھیں، سپرنٹنڈنٹ نے اسے گزشتہ کی مشقت پر ڈانٹا کہ یہ جیل ہے، کھیل نہیں، مشقت پوری کرو ورنہ ٹکٹکی باندھ کر بید لگیں گے۔ میرے ملال واحساس میں اس سے اور بھی اضافہ ہوا، چنانچہ اس پر میں نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ مجھے چکی پر لگایا جائے، جواب ملا، آپ ایسے کام پر لگائے جاسکتے ہیں نہ وہ اس سے ہٹائے جاسکتے ہیں۔ بیوہ کے بیٹے اور سوداگر کے گھوڑے کی طرح اے کلاس کے قیدی کو غذا اچھی، کام ہلکا دیا جاتا تھا۔ بی کلاس کا ہی غریب قیدی ہے، جو کسان کے بیل کی طرح کولہو کنواں چلاتا اور چکی پیستا ہے۔ شام کو معلوم ہوا کہ آپ کی مشقت کل سے بھی کم تھی۔ ہاتھ مشقت سے آبلہ اور جسم تھکان سے پھوڑا بن گیا تھا۔ میرا دل ان کی حالت دیکھ کر خون ہوگیا۔ ان کی مصیبت کو کم کرنا

میرے بس میں نہ تھا، مگر شرکت کے لیے تیار ہوگیا، جب شام کو سپرنٹنڈنٹ پھر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ چکی کی مشقت منتقمانہ ہے اور اگرچہ علم تعزیرات پر مجھے عبور نہیں، تاہم تعلیم یافتہ سے چکی پسوانے اور کولہو چلوانے کا اصول میری سمجھ سے بالا ہے۔ اخلاق، برداشت، کام، قابلیت کے پہلو پر غور کرو، یہ مشقت کسی لحاظ سے موزوں نہیں معلوم ہوتی۔ نہ تو محکمہ کو ایسی مشقت سے منافع، نہ قیدی کو کوئی فائدہ۔ میری اس تقریر کو اس نے خاموشی سے سنا اور خاموش چلے گئے۔ آخر میں، مَیں نے اپنی تخریب میں ہر سردار صاحب کی تعمیر کا راز مضمر پایا، کیونکہ میری معروضات کے مطابق انھوں نے مجھے پیسنے کو نہ دیا۔ میں نے کھانا نہ لیا، داروغہ میرے پاس دوڑا آیا کہ کھانا ضرور کھاؤ، جواب دیا کہ انھیں چکی سے ہٹاؤ۔ کہا کہ یہ ہٹ بے جا ہے۔ میں نے کہا بجا ہے۔ میرے ساتھ فاقہ کشی میں سردار صاحب نے آمادگی ظاہر کی، میں نے کہا کہ یہ مشکل اور گھاٹی سخت ہے۔ آپ چکی چلایے اور میری استقامت کے لیے پرارتھنا فرمایے۔ غرض تین وقت رنج کھا کر پیٹ بھرا۔ میں پہلے ہی کاغذی جوان تھا، اب ہوا کے جھونکے سے ہلنے لگا۔ حکام کو میری ہلاکت کا احتمال ہوگیا، میرے مہیا بقضا ہونے نے آنکھیں کھول دیں۔ شاید صاحب ضلع سے مشورے ہوئے کہ قیدی کفن مانگتا ہے، رات گئی پر مجھے کہا گیا کہ عذاب بن کر کھانا کھاؤ۔ صبح بھگت سنگھ کو اس کام سے ہٹا دیا۔ اس معاملہ میں اب تک افسران جیل ہوشیار پور کا شرمندہ احسان ہوں۔ کامل غور و فکر کے بعد اس مرحلہ پر پہنچا کہ میری فاقہ کشی تشدد کا پہلو لیے ہوئے تھی اور میں اپنی ضد میں برسرِ غلطی پر تھا۔

چالان یا تبدیلی:

اس واقعہ کے دو دن بعد بزرگ ہوشیار پور پنڈت شام داس صاحب عزیز پنڈت درگا داس اسسٹنٹ سیکرٹری ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی کی گرفتاری عمل میں آئی، مجھے اور میرے ساتھی کو انبالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ ہر سٹیشن پر پیش کردہ پھل، مٹھائی اڑاتے شام کو انبالہ جیل پہنچے۔ میرے ساتھی کے دل میں ابھی چکی کا خوف باقی تھا۔ بدقسمتی سے جو کوٹھڑی ان کو ملی، اس میں چکی لگی ہوئی تھی۔ سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے۔ سردار صاحب لرزہ براندام ہو کر بولے چودھری صاحب یہاں بھی چکی ہے، ان کا سانس پھولا ہوا اور چہرہ زرد تھا۔ مجھے ان کی حالت پر ہنسی آئی، حسن اتفاق اور ساتھی کی خوش قسمتی سے چکی کا سوال یہاں حل ہو چکا تھا۔ رڑکاں کلاں کے احرار قومی پنچایت کے سلسلہ میں پانچ پانچ سال کی قید بھگت رہے تھے۔ انھیں بھی پھرنی کے پھیر میں لانے کی کوشش کی گئی، انھوں نے چکی کے یہ کہہ کر چار پاٹ کر دیے کہ چکی کسی چوڑی والی سے پسواؤ۔ دانے زمین پر پھینک کر کہا کہ ہم زمیندار یہ کام کر سکتے ہیں، مگر جلد ہی الجھتا معاملہ سلجھ گیا۔ داروغہ نے کہا، اس کار سے تم بے کار اچھے۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے دو سو کے قریب سیاسی قیدی آ چکے تھے، دن عید، رات شب برات ہو کر گزرتی تھی۔ ہاں ایک ناخوشگوار بات سننے میں آئی کہ چند رضا کاروں کو وحشیانہ زدوکوب کر کے قید تنہائی میں ڈالا ہوا ہے۔ ہوشیار پور جیل کی نسبت یہ جیل نہایت خستہ و خراب تھی، کوٹھڑیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بول و براز کے برتنوں کو دیکھ کر بلا مبالغہ کہا جا سکتا تھا کہ تعزیرات ہند کے اوّل سزا یافتگان کے زیر استعمال رہ چکے ہوں گے، کھڈیاں ہوشیار پور جیل کی نسبت چوڑائی میں کم تھیں۔ مجھے اس کا تلخ تجربہ اوّل رات ہی ہوگیا۔ میرے برتن کھڈی کے پاس ہی پڑے تھے اور میں کھڈی پر سو رہا تھا۔ رات کا آدھ بجا ہوگا کہ میں کروٹ بدلتے ہی برتنوں پر آ گرا، برتنوں کے شور سے ہنگامہ بپا ہوگیا۔ دور نزدیک کے

پہرہ دار یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ ارے قیدی کیا کرتا ہے، میں نے کہا کہ کھڈی سے گر گیا ہوں۔ پوچھا کہ کیسے؟ جواب دیا کہ پھر گر کر بتلاؤں کہ ایسے۔ وہ اس شبہ پر دوڑے تھے کہ شاید کوئی فراری کے لیے نقب لگا رہا ہے۔ جب انھیں میرے سیاسی قیدی ہونے کا یقین ہوگیا تو یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ جو دوڑ دوڑ کر جیل میں آتے یہیں، وہ بھاگ دوڑ کر کب جاتے ہیں۔ چوڑائی میں یہ کھڈیاں گھوڑے کی پیٹھ سے زیادہ چوڑی نہ تھیں، اسی لیے اکثر قیدی گر کو سوار ہوتے تھے۔ میں اس رات میں تین دفعہ گرا، اس سے یہ ضرور ہوا کہ میں شاہ سوار ہوگیا۔ چھے مہینے بقیہ قید کے عرصہ میں پھر کبھی نہ گرا۔ جیل ہوشیار پور میں مصروفیتیں زیادہ تھیں، اس لیے دیگر قیدیوں کے حالات سے ناواقف رہا۔ صبح کو اٹھ کر عہدے دار قیدی بہ استثنا سیاسی قیدیوں کے کوٹھڑیوں کے تالے کھول کر گنتی پکار رہے تھے، جب دیر بعد مجھے کھولا اور میں باہر نکلا تو دیکھا کہ اخلاقی قیدی دو دو قطار میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ نظارہ عبرت زا روح فرسا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جس کے کپڑے میلے اور گندے نہ تھے۔ وہ بھی اس حد تک وحشت ہوتی تھی، اگر ستر پوشی مقصود نہ ہوتی، تو اس تن پوشی سے میں برہنہ بدن کو ترجیح دیتا۔ کم از کم اشرف المخلوقات حیوان سے بدتر تو دکھائی نہ دیتا۔ سورج کے آنکھ کھولتے ہی اکثر جوؤں پر ناخن تیز کرنے اور جسم کھرچنے لگے۔ ایک عہدہ دار قیدی سے میں نے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے، بولا بابو جی پھوٹی قسمت کا کیا پوچھتے ہو۔ ۶ ماہ میں دو جوڑے کپڑوں کے ملتے ہیں، ہفتہ میں ایک دن دھلوائی کا ہوتا ہے۔ وہ بھی قسمت سے پانی ملا تو ملا، اسی لباس سے دن کی مشقت اسی میں رات کو آرام۔ کپڑے کیوں میلے نہ ہوں، جوئیں کیوں نہ پڑیں، میں نے کہا جب پانی ملے اور موقع لگے بدن صاف کیا، کپڑا دھولیا۔ ہنس کر جواب دیا کہ موقع لگنے کی ایک ہی کہی ہے جیل میں یہ گھر کی کھل کھیل نہیں۔ نئے آئے ہو، ابھی تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔ اس جیل میں نقل وحرکت پر پابندیاں نہ تھیں، اس لیے تنہائی کو کوٹھڑیوں میں نظر بند رضا کاروں کو دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ تفریح طبع کے لیے جب کبھی چڑیا گھر میں میرا جانا ہوا۔ جانوروں کو تانا سا تنتے دیکھا کرتا۔ بالکل اسی طرح یہ والنٹیر کوٹھڑی کے اس سرے سے اس سرے تک تانا تنتے تھے اور جنگلے کے قریب جا کر مجھے اسی قسم کی بدبو آتی۔ جس طرح چڑیا گھر کے جانور کے پنجرہ سے آتی تھی۔ چڑیا گھر کے جانوروں کو مصروف تگ ودو دیکھ کر حیرت سی ہوا کرتی تھی۔ والنٹیر وں کو رواں دواں دیکھ کر بات کھل گئی کہ غذا کے ہاضمے اور خون کے دورہ کے درست کرنے کے لیے چلنے پھرنے پر انسان وحیوان مجبور ہوتے ہیں اور بند مکان میں پاخانہ پھرنے کی وجہ سے عفونت لازمی تھی۔ والنٹیر وں نے میرے پاس صفائی کی کمی کی شکایت کی کہ بعض دن پاخانہ بالکل اٹھایا تک نہیں جاتا۔ نیز انھوں نے اپنے خون آلود کپڑے مار پیٹ کی کہانی سنا کر بطور ثبوت پیش کیے۔ اس وحشیانہ زبردستی پر افسوس ہے کہ میرے پیشرو اسیروں نے بروقت صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ اس معاملہ میں اب خاموشی کو مصلحت سمجھا، کیونکہ کوئی ریکارڈ جیل میں موجود نہیں، جس میں اس دردناک واقعہ کی تفصیل مذکور ہو۔

میں نے کورنٹین کے دس دن ایک ہی کوٹھڑی میں کاٹے، اس کے ملحق ومتصل اسی کوٹھڑیوں کی سیدھی قطار تھی، جن میں زیر تجویز اخلاقی حوالاتی تھے۔ جس طرح اندھوں میں کانا خواہ مخواہ راجہ بن بیٹھتا ہے، اسی طرح میں ان پر حق حکومت جمانے لگا۔ ان سب کا بلامحنتانہ وکیل تھا۔ زیر تجویز قیدی یکے بعد دیگرے اپنے معاملہ میں مشورہ طلب کرتے تھے،

میں بھی وہ پیر تھا جو ہر آئی بیوی کو بیٹا ہی دے کر دلبری کرتا ہے۔ کمزور مقدمات میں بریت کا ثبوت دلا کر مضبوط مقدمہ میں ملزموں کو ٹال دیا کرتا، تاکہ دل شکنی نہ ہو۔ انھی ایام میں کئی مقدمات میں میرے رائے کے مطابق فیصل ہوئے، پھر کیا تھا۔ قیدیوں کے سر پر میرا سایہ دراز رہنے کی دعائیں مانگی جانے لگیں۔ کچھ تو مٹھی چاپی میں مصروف اور کچھ حالات سنا کر جنبش لب کے منتظر رہتے۔ یہ دن بھی خوب کٹے۔ آخر کوٹھڑی سے نکال کر مجھے سیاسی قیدیوں کے ساتھ بارک (ایک لمبا والان) میں رکھا گیا۔ وہاں بھی دن کو علمی تذکرے رات کو سیاسی مناظرے رہتے۔ ملکی چال ڈھال پر گھنٹوں گفتگو رہتی، افسوس وہ دن بھی ہوا ہو گئے اور خواب خوش کی کی طرح ان کی خوشگوار سی یاد باقی رہ گئی۔ اس کے بعد وہ دور فرعونی شروع ہوا، جس کی داستان افسانہ درد بن کر پنجاب میں مشہور ہوئی۔ قبل اس کے کہ میں اس ماجرائے غم کو بیان کروں، مناسب ہوگا۔ اگر ان صحبتوں کا سرسری ذکر آ جائے، جو یادِ جیل کی بہترین سرمایہ دار ہیں۔

لائحہ عمل:

خفتگان خواب گراں کو سحر شانہ ہلا کر جگاتی تو سب مصروف عبادت ہو جاتے۔ مسلمان نماز سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن ہندو سندھیا کے بعد گیتا اور سکھ شبد کہتے۔ اسی طرح سیاسی قیدیوں کی بارکیں برکت سے معمور رہتیں۔ چائے کے وقت یعنی ۸ بجے کے قریب گلہ یعنی بیسنی روٹی ملتی۔ گورنمنٹ ریوڑ کی طرح لوگوں کو جیل میں بھر رہی تھی۔ کچھ وقت تو اوروں کی مزاج پرسی وحال پرسی میں گزر جاتا۔ کچھ لوگ مصروف مطالعہ اور کچھ بحث ومباحثہ میں وقت کاٹتے۔ ۱۲ بجے روٹی ملتی، پیٹ بھر کر سو جاتے۔ سو کر اٹھتے تو کھیل کود میں لگ جاتے۔ شام کے بعد پھر طعام۔ طعام کے خاتمہ پر کلام۔ ختم کلام کے بعد آرام کو سوجھتی۔ لیل ونہار کا یہی مختصر لائحہ عمل تھا، مگر رات اپنی گونا گوں دلفریبیوں میں دن سے بڑھ کر تھی۔ عسرت و فلاکت زدہ ہندوستان کی بےبسی کے ڈرامے کھیلے جاتے۔ رات کے سمے شاعر کا کلام اور خوش گلو کی زبان، تاثیر میں سحرِ سامری سے زیادہ مؤثر ہو ہو جاتی۔ سب کے سب سرمست و بےقرار، ہائے وائے کرتے، وجد میں آ کر جھومتے ؎

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے — پر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا، جو حسینؓ ابن علیؓ کو — خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لیے ہے
یہ حور بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا — لبیک! کہ مقتل کا صلہ میرے لیے ہے
میں کھو کے تیری راہ میں سب دولت دنیا — سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
سرخی میں نہیں دست حنا بستہ بھی کچھ کم — پر سر شوخی خون شہدا میرے لیے ہے
راحل ہوں مسلمان بہ صد نعرہ تکبیر — یہ قافلہ یہ بانگ درا میرے لیے ہے
اللہ کے رستے میں ہی موت آئے مسیحا — اکسیر یہی ایک دعا میرے لیے ہے
کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف — کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

سیاسی مباحثوں میں دھڑے بنتے، خوب ہی ٹھنتی تھی۔ مہاتما جی کا عدم تشدد کا اصول، مولانا حسرت کا پرتشدد

پروگرام، حربہ وہتھیار ہو کر ٹکراتے۔ حسرت کے حامی جب دلیل میں دب جاتے، تو مہاتما پرستوں کو ہاتھ دکھاتے۔ عدم تشدد کے داعی خاموشی سے مقابلہ کرتے، جلسہ برخاست ہو جاتا ہے، سب اپنی اپنی کھڈی پر جا کر سو جاتے۔ ایک دن یہی قضیہ درپیش تھا، بحث سے بات بڑھ گئی۔ دلدادگان آہنسا سر دینے کو تیار ہو گئے کہ یہ موری کی چھینٹ کی طرح سر آتے ہیں، ہم کیا کم ہیں۔ گھونسے کے مقابلے میں جوتا چلا ہی تھا کہ ہاتھ تھام لیے گئے۔ کسی نے کہا یارو! لڑائی حسرت کا مقام ہے، یہ فقرہ کئی دن کی بحث کا ثالثانہ فیصلہ تھا۔

آہنسا کی بطور دھرم کے کامیابی مشتبہ ہے، البتہ بطور پالیسی ایک لاثانی حربہ ہے۔ میں عدم تشدد پر اس حد تک یقین رکھتا ہوں کہ ہندوستان اسی اصول پر عمل کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ مگر ایسی حالت پیدا ہونے کا بھی امکان ہے کہ ملک کو اپنی جدوجہد میں کوئی اور طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ پُرامن ترک موالات آزادی تک پہنچنے کی مختلف راہوں میں سے آسان گزار راہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی مقابلہ کے تمام فطرتی جذبات کی معدومی کو ممکن سمجھ کر نفی انتقام کے اصول کا پرچار کرنا درست نہیں۔ انسانی برداشت کی آخر حد ہونی چاہیے، جب ہم قوت برداشت کو بڑھانے کی تبلیغ کرتے ہیں تو اس امر کا ضمناً اقرار کرتے ہیں کہ برداشت کی حد ہے۔ جب ظلم صبر سے بڑھ جاتا ہے تو مظلوم کی قوت مقابلہ چوگنی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ صبر کے ساتھ علم شامل ہو، یعنی مظلوموں کی غفلت کو علم ہو کہ میں ظلم برداشت کر رہا ہوں۔ اگر ظلم کے ساتھ مظلوم کی غفلت شامل ہے تو یہ غلامی کی انتہا ہے، قرآن حکیم نے جہاں ظلم کے مقابلہ میں صبر کی ہدایت فرمائی ہے۔ وہ اس لیے کہ اگر ظالم جلد پشیمان ہو جائے تو معاملہ سلجھ جائے، اس میں دوسرا یہ راز مضمر ہے کہ اگر ظلم حد سے بڑھ جائے، تو جذبہ غضب مظلوم کی کمزوری کو پورا کر دے۔ الہامی کتابوں میں صبر کا یہ مفہوم نہیں کہ قوم کو ہمیشہ کے لیے تختہ مشق ظلم بنا رکھا جائے، بلکہ یہی کہ ظالم کو اصلاح اعمال کا جائز موقع مل جائے۔ ہندوستان آہنسا کی جنم بھومی اور مہاتما بدھ اس کے جنم داتا ہیں، گوتم راج پاٹ چھوڑ کر جب فرش خاک پر آ براجا تو کمزور کی صنف میں ایک گراں قدر اضافہ ہو گیا۔ اس کی تعلیم زور آوروں کو تنبیہ اور کمزور کی ڈھال تھی۔ کیونکہ آہنسا کے مخاطب زبردست ہیں نہ کہ زیردست، بدھ کی ذاتی کشش اور قربانی نے آہنسا کو ہندوستان کا مذہب بنا دیا، مگر شہنشاہ پرستوں کی چشم دنیا دار منتظر موقع رہی۔ گوتم کی آنکھ بند ہوتے ہی سرمایہ داروں کی ہوس رانیاں جولانیاں دکھلانے لگیں، گورو شنکراچاریہ جی کی جادو بیانی جب ہندوستان میں سحر طراز ہوئی، تو نسل انسانی کے دشمنوں نے گھات سے سر نکالا۔ احیاء مذہب کی اوٹ میں جو بن آیا کیا، برسوں کی کسر مہینوں میں پوری ہو گئی۔ سرزمین ہند خون غریباں سے لالہ زار ہوئی، گوتم بدھ مذہب کا بزور شمشیر جلاوطن کر کے آہنسا کے دعوے کا عملاً خاتمہ کر دیا گیا، مگر انفرادی طور سے کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا۔ اب تک ہندوؤں میں ماس کی جگہ گھاس، جیو ہتیہ کی جگہ جیو رکھشا اس کا ثبوت ہے، جماعتی طور سے سرمایہ داروں نے آہنسا کے اصول پر علی الاعلان عملدرآمد شروع کر دیا۔ راجگان ہند کی خانہ جنگیاں اس کی شاہد عادل ہیں، گوتم بدھ کے نروان کے بعد مسیح ناصری مددگار مظلوماں بن کر آیا، حفاظت خود اختیاری کی نفی مطلق کا ناکام وعظ ہوتا رہا، کمزروں سے ہمدردی دل میں رکھ کر زور آوروں سے عافیت کی توقع غلط ثابت ہوئی۔ حکومت کے غصہ کا شکار ہو کر سولی کا تختہ دیکھنا پڑا۔ عیسیٰ مسیح کی کمزور جماعت کی قسمت نے پلٹا کھایا، وہ زیردست سے زبردست ہو

گئی۔ وہی مسیح کی بے چارہ بھیڑیں حکمران ہوکر خوانخوار بھیڑیے بن گئے۔ اقوام عالم کی آزادی آج جن کی آہنی ایڑی کے نیچے مسلی جارہی ہے اور وہ مظلوموں کی شور و پکار سے بالکل بے پرواہ ہے۔ قدرت ہمیشہ دنیا کی متضاد طاقتوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتی ہے، جب تشدد میں غلو کیا جاتا ہے تو عدم تشدد کا پیغام بر پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کسی غلام قوم پر ظلم اس کی برداشت سے بڑھ جائے اور وہ ہاتھ نہ ہلائے تو حربی رہنما ظہور میں آتا ہے۔ اسرائیلیوں کے غلامانہ عدم تشدد کو اعتدال پر لانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ جب خانہ جنگیوں سے دنیا میں اینٹ سے اینٹ بجنے لگی تو حضرت مسیح علیہ السلام پیغام امن لائے۔ ہندوستان میں اسی تاریخ کا اعادہ کرشن و گوتم سے ہوا۔ آہنسا اور ہنسا دونوں افراط و تفریط کی راہیں ہیں، جو ایک طرف انسان کو بھیڑ، دوسری طرف بھیڑیا بنا دیتی ہیں۔ خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی وعربی ہجوم و دفاع کے اس سلسلہ میں آخری و کارگر علاج بن کر آئے۔ ان کی زبان معجز بیان پر ظالم و مظلوم دونوں کے لیے پیام تھا، ظالم کو ظلم سے ڈرایا، مظلوم کو فرش خاک سے اٹھایا۔ آہنسا و ہنسا کی دو انتہاؤں کے درمیان دنیا کو ایک اعتدال کا راستہ بتایا کہ دانت کا بدلہ دانت، آنکھ کا بدلہ آنکھ ہی ہے۔ ہاں جبر پر صبر کر سکو تو مستحسن ہے۔ گویا ظلم پر حلم کی اجازت بھی ہے اور حق حفاظت محفوظ بھی ہے۔ مقام مسرت ہے کہ تمام ملک کا عدم تشدد پر بطور پالیسی یقین تھا نہ کہ بطور دھرم کے اعتقاد۔

باردولی ریزولیوشن:

احباب کا سمند فکر بار بار رواں دواں باردولی پہنچا۔ التوائے سول نافرمانی پر کئی بار نقد و نظر ہوئی، وہاں بھی موہن و مولانا سرگرم کار تھے۔ اس ریزولیوشن کے حامی کہتے تھے کہ مہاتما کا شیشہ دل چوراچوری کی ہلکی سی ٹھیس سے چُور چُور ہو گیا، اس لیے رجعت کا حکم دیا، ایسا کرنے میں وہ برحق تھے، الا ملک میں انقلاب عظیم برپا ہوتا، کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کے ندی نالے بہہ نکلتے۔ اس پر ایک شوخ مخالف بولا کہ اگر مہاتما کے آبگینہ دل کو ایک ٹھیس کی کسر تھی تو رہنمائی کی سل کیوں سینے سے لگا رکھی تھی؟ مگر یہ بحث بھی اس سوال کا ضمن تھی، جس کا ذکر صحبت اوّل میں گزر چکا ہے۔ اس لیے ایک صاحب نے بات اٹھائی کہ ملک سول نافرمانی کے لیے تیار ہی نہ تھا، یہ بات تھی بلا دلیل، بڑی لے دے ہوئی۔ کیونکہ یہ محترم رہنما کی دانائی پر برملا پھبتی تھی، جس نے حکومت کے الٹی میٹم کا احمد آباد کے ریزولیوشن سے جواب دیا۔ دشمن کے صف بہ صف مقابل ہوکر مقابلوں کی تدبیروں پر پانی پھیرتے رہے، عین اس وقت جبکہ حریف کا مخزن تدبیر خالی ہو چکا تھا اور احرار استبداد پر فتح حاصل کرنے والے تھے، سالار جنگ کو اپنی جماعت کی عدم تیاری کا خیال آ گیا اور حکم رجعت سے فتح کو شکست میں بدل دیا۔ مناظر کی تقریر اس کے اپنے برخلاف ایک دلیل تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ باوجود مہاتما کی تصریحات کے، اس کی پسپائی کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہا اور اسے حق بجانب نہیں کہہ سکا۔ میں باردولی کی قرارداد کو بزدلی پر محمول کرنے کی جرأت نہیں کرتا، مگر اس تلخ حقیقت کا صاف اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں کہ ملک پر اس کا نتیجہ وہی ہوا ہے، جو شاید شکست کی انتہائی ذلت بھی پیدا نہ کر سکتی۔ ملک بھر پر سکوت طاری ہے اور کانگرس کمیٹیاں دم توڑ رہی ہیں، قومی خزانہ یکسر خالی ہو چکا ہے۔ تیس ہزار نفوس کو پابندِ بلا کر کے پسپائی پر کوئی مبارکباد نہیں دے سکتا۔

خوش اعتقادی:

باوجود ان تمام باتوں کے ایک فریق تو مہاتما کو قطعی خالی از خطا سمجھتا تھا، چند نفوس ایسے تھے جو مہاتما کو خاطی سمجھنے کے باوجود بھی کسی نکتہ چینی کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ نکتہ چینی نوکِ نشتر ہو کر دلوں میں چبھتی تھی، وہ ہر اعتراض پر یہی کہتے تھے کہ اس ظاہری شکست میں فتح کا راز مضمر ہے۔ بلاشبہ فتح تو اوالوالعزم ہندوستان کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔ جلدی یا بدیر۔ یہ ہماری سرگرمیوں پر منحصر ہے، ہندوستان غیروں کی غلامی سے تنگ آ گیا ہے، اس کی خواہش آزادی پر کوئی کارگر رکاوٹ زیادہ دیر تک نہیں لگائی جا سکتی۔ گورنمنٹ نے اصلاحات دے کر گویا حاتم طائی کی قبر پر لات مار دی۔ سردست وہ کسی ایجی ٹیشن سے مرعوب نظر نہیں آتی، یہی سلطنت کے لیے خطرناک ہے، کیونکہ جس حکومت میں لچک نہیں آتی، اسے انقلاب کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر چہ اس وقت ملک بھر میں جمود وسکوت طاری ہے، مگر مجھے کامل یقین ہے، گورنمنٹ خود بخود لوگوں کو بھڑکانے کا سامان کرلے گی۔ یا تو وہ ترکوں سے الجھے یا کوئی نیا قانون ایجاد کر کے اپنی تباہی کا خود ہی موجب ہوگی، اگر سول نافرمانی کا مرحلہ دوبارہ پیش ہوا تو رہنماؤں کا فرض صاف ہے کہ مزاج میں وہم نہ بڑھنے دیں، عین ممکن ہے کہ آگ لگا کر بی جمالو پھر دور کھڑی ہو جائے۔

گاؤ کشی اور چھوت:

ہندو مسلمانوں میں گاؤ کشی مابہ النزاع ہے۔ اگر چہ اس وقت سطح ملک پر خاموشی ہے، مگر اس خاموشی کی گود میں سو طوفان کھیل رہے ہیں، آپس کے اشتراک عمل نے اگر چہ کار ہائے نمایاں کیے ہیں، مگر سینے ہنوز صاف نہیں۔ مستقبل کے ہند پر جب کبھی بحثیں ہوئیں تو یہی معاملات راہ میں روڑے نظر آتے ہیں۔ میں ہمیشہ اسی ٹوہ میں لگا رہتا ہوں کہ مجھے گاؤ کشی پر اصرار مل کر کھانے پینے سے انکار کی کوئی معقول وجہ مل جائے۔ مگر سینہ زوری اور خدا واسطے کی نفرت کے سوا کوئی بات نہیں پاتا۔ ایک دن ہندو، مسلمان احباب کی زبان سے ان کے دلی خیالات کی ترجمان ہوئی۔ طرفین کی رگیں جوش سے پھول گئیں اور غصہ سے کف جاری تھی۔ ہندو گاؤ کشی کو دل آزاری اور مسلمان چھوت کو مسلم آزاری بتاتے تھے۔ دل آزاری و مسلم آزاری میں دوران گفتگو میں بھی شبہ نہ تھا۔ اظہار جذبات کے سوا کسی کے پاس معقول دلیل نہ تھی، آخر وہی انجام ہوا جو ایسی بحثوں کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی محبت کی بجائے نفرت کا احساس بڑھا۔ اگلے روز میرے ایک ہندو دوست نے پھر اعتراض کیا کہ مسلمان روادار نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ حقیقت سے واقف کار نہیں۔ ہندو قوم کے سوا محبت، خلق اور حفاظت ہمسایہ میں کوئی قوم مسلمانوں کے ہم پایہ نہیں کہلا سکتی۔ تمام ممالک اسلامی میں جاؤ اور دیکھو کہ اقوام غیر کو مسلمانوں نے وہ مراعات دے رکھی ہیں جو خود مسلمانوں کو باوجود حکمران قوم ہونے کے حاصل نہیں۔ یہ کسی سے دب کر نہیں، بلکہ اس کی تاریخ اسلامی طاقت کے شباب سے شروع ہوتی ہے۔ عیسائی یورپ سے ستائی ہوئی چھوٹی چھوٹی اقوام کو اپنے آغوش امن میں لیا، ترکوں کے ماتحت کثیر تعداد میں چھوٹی چھوٹی اقوام کا قیام اس کے شاہد عادل ہیں۔ آج وہی عطا کردہ مراعات کی شکل میں الٹی آنتیں بن کر ترکوں کے گلے پڑی ہوئی ہیں۔ دور کیوں جاؤ، چھوت کو لو۔ کیا یہ مسلمان شہنشاہوں کے وقت سے مروج نہیں؟ یوں تو اسلامی عہد کی تاریخ کا کوئی ورق تعصب کے ذکر سے خالی نہیں، مگر حیرت ہے کہ چھوت جیسے نفرت زار رواج پر کسی مسلمان کے بگڑنے کا ذکر تک مرقوم نہیں ملتا۔ اس زمانہ میں بھی بڑے سے بڑا زمین دار و سرمایہ دار مسلمان جب کسی ہندو دوست کے ہاں جاتا یا دکان سے کوئی چیز خریدتا ہے تو جہاں اسے بٹھایا جاتا ہے، بیٹھتا ہے، جس طرح چیز دی جاتی ہے، لیتا ہے۔ اگر چہ اس

میں اس کی صریح ذلت ہے اور بطور انسان کے وہ محسوس کرتا ہے، مگر تمھارے جذبات کا لحاظ کر کے تمھارے اشاروں کا منتظر رہتا ہے۔ کیا چھوت کے سامنے گردن جھکا دینا مسلمانوں کی مسلسل رواداری کا ثبوت نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ میری یہ بات میرے ہندو، دوست کے لیے بالکل نئی تھی۔ جس کا میری توقع سے بڑھ کر اس پر اثر ہوا۔

اسلام میں ماکولات کی حلت وحرمت پر اگر غور کیا جائے تو گاؤ کشی پر اصرار کی وجہ نظر نہیں آتی، آفتاب رسالت کے ریگستان عرب پر پرتو فگن ہونے سے پہلے عرب میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ آخر سورہ انعام نے حرمت کی حد باندھی، گائے کے حلال ہونے میں کیونکر کلام ہوسکتی ہے، مگر کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ نہیں ہوسکتے کہ استعمال نہ کرنا حرام ہے۔ مرفہ الحال مسلمانوں میں بہت ہی قلیل تعداد ایسی ہے، جو اس کا استعمال کرتی ہے۔ میں سچائی سے اس امر کو باور کرتا ہوں کہ اس سلسلہ کشمکش کا خاتمہ مسلمانوں کی غیرت اور ہمسایہ نوازی پر منحصر ہے۔ اسلام امن وآشتی کا مظہر اور اقوام عالم لیے صاف دعوت اپنے اندر رکھتا ہے، حسن سلوک میں دوسروں کا منتظر نہیں کہ کوئی قدم بڑھائے، بلکہ نیکی اور صلح میں سبقت مسلمانوں کا فرض اوّل ہے۔ مگر قانون کے ذریعہ انسداد گاؤ کشی فی الحال خواہ مخواہ کی چھیڑ اور ناعاقبت اندیشی ہے۔

(جاری ہے)

عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیوں سمیت تمام غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے کے لیے داعیانِ الی اللّٰہ کی تیاری

تیسرا سالانہ 15 روزہ

دورہ تربیت المبلغین

مقام: دار المبلغین، مرکزی دفتر مجلس احرار اسلام پاکستان، 69/C حسین سٹریٹ وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

زیر سرپرستی

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

13 تا 26 اپریل 2019 / 7 تا 20 شعبان 1440

فضلاء درس نظامی کے لیے

شاندار موقع

شرائط داخلہ

(۱) سکول وکالجز کے طلباء کے لیے تعلیم کم ازکم میٹرک

(۲) مدارس کے طلباء کے لیے درس نظامی یا حفظ قرآن مع لکھنا پڑھنا جانتا ہو

(۳) اصل قومی شناختی کارڈ اور اس کی فوٹو کاپی ہمراہ لائیں

جید علماء کرام، مذہبی سکالرز اور سابق قادیانی ماہرین کی ٹیم جدید ترین سمعی بصری ذرائع ابلاغ کے ساتھ داعیان کی تیاری کروائیں گے

منجانب: شعبہ تبلیغ تحفظِ ختم نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان | برائے رابطہ ڈاکٹر محمد آصف: 0300-9522878

رودادِ احرار طبّی امدادی کیمپ ملتان سنہ ۱۹۶۸ء (قسط:۱)

محمود احمد ایم اے

''یہ روداد مجلس احرار اسلام پاکستان کے موجودہ مرکزی نائب امیر پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب کی تحریر کردہ ہے جسے انھوں نے اس وقت ''محمود احمد ایم اے'' کے قلمی نام سے تحریر کیا۔'' (ادارہ)

آغازِ کیمپ: ۱۸؍محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۸؍اپریل ۱۹۶۸ء جمعرات

اختتامِ کیمپ: ۲۹؍صفر المظفر ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۸؍مئی ۱۹۶۸ء منگل

تقدیم　جسم وروح کے خالق اور الہام وتوفیقِ خیر کے مالک کا فضل وکرم شاملِ حال نہ ہو تو عمل اور نیت تو در کنار، اس کا خیال وتصور بھی دل ودماغ کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔ پروردگارِ عالم کا احسانِ عظیم ہے کہ انھوں نے مجلس احرارِ اسلام کو اس کے روزِ بنیاد سے لے کر ہمیشہ ہی انفرادی تکالیف اور قومی مصائب میں احساسِ فرض اور ادائے فرض کی نعمت سے نوازے رکھا۔ محض احساسِ رنج وغم اور زبانی ہمدردی پر قناعت وکفایت اس کے اصول اور مزاج ومعمول سے بالکل بے جوڑ بات سمجھی گئی اور اس حقیقت کی تصدیق کے لیے جماعت کی چالیس سالہ تاریخ اور اس کے زندہ و وفات یافتہ بزرگوں کا اُسوہ سب سے بڑے اور سچے گواہ ہیں۔ کوئی زمانہ اور وقت کا کوئی حصہ آفات وحوادث سے خالی نہیں۔ یہ ایک قدرتی معمول ہے، قریباً تہائی صدی سے پہلے ہمارے ملک برصغیر ہندو پاکستان پر ''زلزلۂ کوئٹہ'' ۱۹۳۵ء کا حادثہ ایک قیامتِ صغریٰ بن کر نازل ہوا۔ جس نے قریباً پچاس ہزار انسانوں کی اکثریت کو لقمۂ اجل بنا ڈالا۔ پورے ملک کی معاشرتی اور انتظامی فضا متاثر ہوئی۔ ہر مقتدر شخصیت اور رفاہی اور قومی تنظیم نے بقدرِ ہمت و وسائل کوئٹہ شہر کی بحالی میں حصہ لیا۔ لیکن مجلس احرار نے لاہور میں اپنا عظیم الشان و بے مثال تاریخی طبی اور امدادی مرکز (کیمپ) قائم کر کے ہزارہا مجروح اور قریب الموت انسانوں کو مرہم پٹی اور علاج وغذا کی زبردست سہولیات بہم پہنچائیں۔ بے شمار لاوارث لوگوں کو پناہ دینے اور انھیں کپڑے، روٹی، نقدی اور مکان و دکان تک مہیا کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ ارشادِ رسول علیہ السلام خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ. (بہترین انسان وہ ہے، جو مخلوق کے کام آئے) کی عملی تفسیر پیش کر کے اپنوں، بے گانوں کی تحسین کے ساتھ دنیا میں نیک نامی، اجرِ آخرت، اللہ تعالیٰ کی عنایت ورحمت اور خوشنودی کی حق دار بنی۔ امرِ ربی اور حکمت ومشیت خداوندی کے تحت بدلتے ہوئے، دن حال کے آئینہ میں ماضی کے نقوش کی عکاسی کرتے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، نئے انسان پرانی روحوں کے کردار کا مظاہرہ کر کے مستور حقائق کو واشگاف کرتے اور اپنے معاشرہ سے اعترافِ حق وصداقت کی غیر متوقع خدمت انجام دلواتے ہیں۔

محرم ۹۹ھ / اپریل ۶۸ء میں...... ملتان شہر اچانک ''وبائی ہیضہ'' یا آج کی اخباری اصطلاح میں اس کے مشابہ پیٹ کی ایک پراسرار بیماری کی لپیٹ میں آ گیا اور دو چار روز میں ہی ہنستی ہوئی آبادیوں سے بے شمار جنازوں کے ساتھ ساتھ آہ وبکا، غم والم اور فریاد والمدد کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہفتہ، عشرہ میں شہری زندگی کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں۔ سستی شہرت وعزت اور سیاسی وقعت کے بھوکے برساتی لیڈر تہہ خانوں سے ابل پڑے، کاروباری ذہن امداد وتعاون کے

نام سے کھل کھیلے ساتھ ہی بہت سے مخلص و دردمند افراد اور چند ایک رفاہی ادارے بھی بیماروں کو علاج و تیمار داری اور بروقت امداد کا ایمانی جذبہ لے کر میدانِ عمل میں خیمہ زن ہو گئے۔ مجلس احرارِ اسلام ملتان نے اپنی روایت زندہ کی، محض توکل علی اللہ کے حقیقی سہارے پر یکے بعد دیگرے دو طبی امدادی مرکز قائم کر کے ہزارہا مریض اور قریب الموت انسانوں کو پیامِ زندگی دیا۔ غم زدوں کی ڈھارس بندھائی۔ لاکھوں مسلمان بھائی بہنوں کی خلوص و محبت اور جذبۂ اُخوت میں ڈوبی ہوئی، پاکیزہ دعائیں حاصل کیں اور اپنے ادائے فرض پر سربسجود ہوئے۔ بظاہر بیگانے اس دورِ غرض مندی و نفاق میں اخلاص و ایثار کے اس فقید المثال مظاہر پر انگشت بدنداں ہو کر متوجہ ہوئے اور ''اونچی دکان پھیکا پکوان'' کے مصداق سیاسی اور مذہبی تاجروں کی حاسدانہ سازشیوں اور دھاندلیوں کے علی الرغم نہ صرف یہ کہ جماعت کے لیے دعا گو اور شکر گزار ہوئے، بلکہ اس زبردست اخلاقی و معاشرتی مہم میں سرفرازی و سرخروئی کے اعتراف کے طور پر ہر قسم کے تعاون کے لیے کارکنوں اور رضا کاروں کے دوش بدوش آ کھڑے ہوئے۔ راقم السطور ان ایامِ بلا میں جماعت کے عملِ خیر، اس کی برکات اور اس سے اہلِ اسلام کے بے پناہ تاثر اور ذہنی انقلاب کا چشم دید گواہ ہے۔ اسلامی اُخوت کے مظاہرہ اور خدمتِ خلق کے اس زرّیں کارنامہ کی محتاط تفصیلات، زیرِ نظر کتابچہ میں ملاحظہ کریں اور جماعت کے لیے ہر دینی مہم اور قومی و ملکی خدمت میں سبقت و قیادت کا شرف حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ والسلام۔

ابن امیر شریعت (حضرت مولانا) سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ، لاہور، ۱۲/۲/۱۳۸۸ھ/ ۱۹/۲/۱۹۶۹ء

☆......☆......☆

آغازِ وبا اور عوام کی پریشانی:

مورخہ ۱۴۔۱۵/ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳۔۱۴/ اپریل ۱۹۶۸ء کو مجلس احرارِ اسلام پاکستان کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس، منعقدہ بہاول پور میں شرکت کے لیے ملتان شاخ کے جماعتی رہنما، بہاول پور گئے ہوئے تھے کہ ملتان کے اندر ہیضہ کا موذی مرض پھوٹ پڑا۔ اجلاس سے فراغت کے بعد جب مقامی جماعتِ احرار کے ذمہ دار افراد واپس ملتان پہنچے تو شہر کے حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ ہیضے کی اس موذی وبا نے شدت اختیار کر کے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ بیسیوں افراد لقمۂ اجل بن کر ملک عدم کو سدھار چکے تھے۔ لوگ خوف و ہراس کی وجہ سے سہمے سہمے نظر آتے تھے، اس افراتفری کے عالم میں سب سے زیادہ پریشان ملتان کے وہ غریب عوام تھے، جنھیں دو وقت کا کھانا بھی پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوتا۔ وہ بے چارے علاج کے اخراجات کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ شہر کے مخیّر حضرات جن سے کسی حد تک توقع کی جا سکتی تھی، وہ بڑے آرام کے ساتھ اپنے محلات میں میٹھی نیند سوتے رہے، ایسے حالات میں سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ تھی کہ ملک کی کسی سیاسی جماعت کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ جذبۂ خدمت سے سرشار ہو کر اس آڑے وقت میں قوم کی خدمت کے لیے میدان میں آئے۔ ملکی انتخابات میں مینڈکوں کی طرح ٹرّانے والی سیاسی جماعتوں پر موت کا سا سکوت طاری ہو چکا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ اقتدار کی جنگ لڑنے والے کس حد اور کس درجہ تک جذبۂ خدمت سے سرشار ہیں؟ میونسپل کمیٹی کی طرف سے کچھ نقل و حرکت شروع تھی۔ خود حکومت نے بھی بعض حفاظتی تدابیر اختیار کیں، لیکن

یہ سب کچھ اس قابل ہرگز نہیں تھا کہ جس پر اطمینان کا اظہار کیا جاتا۔

مجلس احرار اسلام ملتان میدان عمل میں:

ایسے حالات میں عین جماعتی روایات کے مطابق مقامی جماعت احرار اسلام نے عوام کی خدمت کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ وسائل اور جماعتی حالات اس قابل نہ تھے کہ ایسے اہم اور عظیم کام کی ابتدا کی جائے۔ لیکن تاریخِ احرار اس بات پر شاہد ہے کہ جماعتِ احرار نے کبھی بھی اسباب پر نظر نہیں رکھی، بلکہ اُس کی نظریں ہمیشہ مسبّب الاسباب پر رہی ہیں، جو چاہے تو ادنیٰ و ناتواں سے بھی وہ عظیم کام لے سکتا ہے جو اعلیٰ و مضبوط کے بس سے باہر ہو۔

ہماری مقامی جماعت میں چودھری نواب علی نائب صدر مجلس احرار اسلام ملتان شہر، پیرانہ سالی کے باوجود جوان دل و دماغ کے انسان ہیں۔ یوں تو گونا گوں خوبیوں کے مالک ہیں، لیکن ایک چیز جو ان کی شخصیت کا ایک اہم جز بن چکی ہے، وہ یہ کہ جب وہ کسی بات کا عزم کر لیں تو اس پر پوری عظمت کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ پھر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں، دریاؤں کے رخ بدل سکتے ہیں، لیکن اُنھیں اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ اس دفعہ بھی وہ سب سے پہلے میدان میں آئے۔ چودھری نواب علی کی تحریک پر ہی مقامی جماعت کا ایک ہنگامی اجلاس مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۶۸ء کو زیرِ صدارت جناب شیخ محمد یعقوب صاحب جالندھری، صدر مجلس احرار اسلام ضلع ملتان منعقد ہوا، جس میں دوسرے جماعتی کارکنوں کے علاوہ ناظم نشر و اشاعت ضلع ملتان حافظ احمد الدین و جناب شیخ تاج محمد لدھیانوی صدر مجلس احرار اسلام ملتان شہر، جناب نذیر احمد صاحب چوہان، خازن مجلس احرار ملتان، جناب شیخ انعام الٰہی صاحب، جناب شیخ محمد یٰسین صاحب، جناب خلیفہ محمد یعقوب صاحب، جناب مشتاق احمد غوری صاحب، جناب کریم اللہ صاحب، جناب صوفی نذیر احمد نور محلی صاحب، ابن امیر شریعت مولانا حافظ سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری اور جناب حافظ سید عطاء المؤمن شاہ صاحب بخاری اور دیگر کارکنانِ احرار نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ عوام کی طبی امداد کے لیے جماعت احرار ملتان شہر کو ایک امدادی کیمپ کھولنا چاہیے، جہاں پر ملتان کے غریب، مفلس اور پریشان حال عوام کے مفت علاج کا اہتمام کیا جا سکے۔

ڈاکٹر عبداللطیف کی مخلصانہ پیشکش:

اس فیصلہ کے بعد جب جماعت کے رضا کاروں نے جناب شیخ محمد یعقوب صاحب جالندھری صدر مجلس احرار اسلام ضلع ملتان سے مالی امداد کی استدعا کی، تو آپ نے نہایت فراخ اور بلند حوصلگی سے کیمپ کے ابتدائی جملہ اخراجات کو پورا کرنے کی حامی بھر لی۔ جناب شیخ صاحب مقامی جماعت کے مخیّر حضرات میں ایک منفرد اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور اپنی انسان دوستی اور غریب پروری کی وجہ سے جماعتی حلقے میں بالخصوص اور عوام میں بالعموم مقبول و معروف ہیں۔

حاجی محمد یعقوب صاحب جالندھری کی طرف سے مالی اعانت کے وعدہ کے بعد جماعت کے سامنے کسی مستند، محنتی اور ایثار پیشہ ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنے کا اہم کام باقی تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بھی خداوند کریم نے احرار کے مخلص ساتھیوں کے جذبۂ خدمتِ خلق اور خلوص و محبت کی لاج رکھ لی۔ قدرت نے ان رضا کاروں کی حوصلہ افزائی کے سامان خود مہیا فرما دیے۔ اگلے روز جبکہ کیمپ کے کھولنے کا اعلان شہر میں کر دیا گیا اور عثمانیہ مارکیٹ میں کیمپ لگا دیا گیا تو آخری وقت تک

ڈاکٹر کا انتظام نہیں ہو سکا، حتیٰ کہ لوگ ہاتھوں میں دوا کے لیے بوتلیں لیے جوق در جوق کیمپ کے ارد گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن ڈاکٹر کا بھی ابھی تک انتظام نہیں ہو سکا تھا، اس پر سب پریشان تھے۔ خصوصاً چودھری نواب علی کی آنکھوں سے اس بے بسی کے عالم میں آنسو بہہ نکلے۔ اتنے میں کسی نے چودھری نواب علی کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، بابا تو کیوں رو رہا ہے؟ اور یہ ہاتھ عثمانیہ مارکیٹ کے مستند و مخلص ڈاکٹر جناب ڈاکٹر عبداللطیف امرتسری کا تھا، جنھوں نے اسی وقت اپنی خدمات جماعت کے سپرد کر دیں، جس سے ہر رضا کار کا چہرہ مسرت و شادمانی سے دمکنے لگا، جیسے انھیں کوئی نعمتِ عظمیٰ میسر آ گئی ہو اور یہ خوشی محض اس لیے تھی کہ رضا کاروں کو اپنی روایات کے مطابق پھر خدمتِ خلق کا موقع مہیا ہو رہا تھا۔ کارکنانِ جماعت نے محترم ڈاکٹر صاحب کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے ربّ ذوالجلال کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ چنانچہ ۱۸؍اپریل ۱۹۶۸ء کو ہمارے اس تاریخی طبی امدادی کیمپ نے زیرنگرانی جناب شیخ محمد یعقوب صاحب جالندھری، صدر مجلس احرار اسلام ضلع ملتان نیز جناب ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے چارج اور تحویل میں اپنا کام شروع کر دیا۔

احرار طبی کیمپ کی کامیابی اور رضا کارانِ احرار کی بے مثال قربانی:

جماعت کے اس اقدام کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ گروہ در گروہ احرار طبی امدادی کیمپ سے طبی امداد حاصل کرنے کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ ابتدا میں ہی کیمپ کو ایک عارضی اور مکمل ہسپتال کی صورت دے دی گئی تھی، مریضوں کے لیے بستروں کا اہتمام کیا گیا۔ مریضوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ بستروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا، پھر پردہ دار عورتوں کی خاطر ہسپتال کو باقاعدہ زنانہ اور مردانہ وارڈ میں تقسیم کر دیا گیا۔ کیمپ کے اندر اس موذی مرض کے انسداد کے لیے ہر دوا ہر وقت مہیا رہتی تھی، خواہ وہ کتنی ہی قیمتی اور نایاب کیوں نہ ہو۔ رضا کارانِ احرار نے دن رات ایک کر کے حق خدمت ادا کر دیا۔ اپنی جان خطرے میں ڈال کر رضا کاروں نے مریضوں کی قے اور اسہال، اپنے ہاتھوں سے صاف کیے، انھیں دلاسے دیے۔ اُن کی ہمت بڑھائی تاکہ وہ بیماری کے ساتھ جنگ کرنے کے قابل ہوں۔ اُن کے حق میں دعائیں کیں، اُن کے غم کو اپنا غم سمجھا اور جب شفایاب ہو کر جانے والے کسی مریض کا چہرہ خوشی سے کھلتا تو رضا کارانِ احرار کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آتے اور یہ آنسو خوشی کے آنسو ہوتے کہ اُن کی سعی اور کوشش سے ایک غریب اور مفلس انسان کی زندگی منشائے ایزدی کے مطابق محفوظ رہی۔ غرضیکہ رضا کارانِ احرار جذبۂ خدمت سے سرشار و کمربستہ ڈاکٹر صاحب کی معیت میں دن رات عوام کی خدمت میں مصروف رہے۔ خصوصاً انچارج کیمپ جناب ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے پیرانہ سالی کے باوجود نہایت ہمت سے اپنے فرائض کو نبھایا، بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے جذبۂ ایثار و قربانی، جان سوزی و جانفشانی کو چودھری افضلؒ کے نظریاتی اور آئیڈیل خادمِ خلق انسان کا کردار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس پر وہ جماعت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ آپ کے علاوہ شہر کے دوسرے ڈاکٹروں نے بھی وقتاً فوقتاً کیمپ میں تشریف لا کر جناب ڈاکٹر عبداللطیف صاحب انچارج کیمپ کا ہاتھ بٹایا۔ جناب ڈاکٹر عون محمد خان صاحب اور ڈاکٹر امیر علی صاحب اس سلسلہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جماعت اُن کی بھی شکر گزار ہے۔ ان احباب کے علاوہ نشتر میڈیکل کالج کے طلباء نے بھی مجلس کی تاریخی روایات، اس کے خالص اسلامی منشور عملی زندگی اور جذبۂ خدمتِ خلق سے متاثر

ہوکر اپنا قیمتی وقت کیمپ کے لیے وقف کر دیا۔

اُفتادِ ناگہانی:

کیمپ کی اس شاندار کامیابی پر جہاں شہر کے مخلص اور نیک طینت افراد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے، ہمارے ساتھ دلی تعاون فرمایا۔ وہاں ایک مخصوص اور بزعمِ خویش صالح طبقے کی پیشانی پر بل بھی دیکھے گئے۔ نہ جانے انھیں احرار کے اس امدادی کیمپ سے کون سے نقصان کا اندیشہ تھا کہ انھوں نے کیمپ کو بند کرانے کے لیے انتہائی کوشش کی، لیکن خدا تعالیٰ کی مہربانیوں اور اس کے فضل و کرم کے صدقے وہ لوگ اپنے ارادوں میں ہر طرح ناکام رہے اور احرار کیمپ پہلے سے زیادہ جوش وخروش، عزم وقوت اور تنظیم کے ساتھ اپنی کامیاب مہم میں مشغول رہا۔ رضا کاروں نے دن رات کمال ہمت سے کام کرکے یہ ثابت کر دکھایا کہ پروردگارِ عالم اگر چاہیں تو گنہگاروں سے بھی کام لے سکتے ہیں اور ایسے قومی، ملکی، سماجی، امدادی کام، متقی و پرہیز گار، نیک وصالح لوگوں پر ہی منحصر نہیں ہیں۔ کام بہتر طور پر ہو رہا تھا، شہر کے لوگ احرار کے اس امدادی کیمپ کو بڑی قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، جہاں سے ہر روز تقریباً چار سو کے قریب غریب اور مزدو پیشہ لوگ مفت استفادہ کر رہے تھے، جن پر ہزاروں روپے کا خرچ اٹھ رہا تھا اور یہ سب کچھ صرف اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے تھا۔

رضا کارانِ احرار اپنی سابقہ روایات کے مطابق ایثار وقربانی کی تصویر بنے، حب الوطنی خدمت خلق کے جذبات سے سرشار ہوکر لوگوں کی قیمتی جانیں بچانے کے لیے اس طرح مصروفِ کار تھے کہ دکانیں بند، گھر بار اور بیوی بچوں کی کوئی خبر نہیں، حتیٰ کہ ہمارے رضا کار اپنی جان اور صحت کی پرواہ کیے بغیر پوری دل جمعی کے ساتھ کام کر رہے تھے کہ ایک نئی اُفتاد آن پڑی۔ وہ یہ کہ محکمۂ صحت کی طرف سے ہمارے کیمپ انچارج جناب ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کو ایک حکم نامہ موصول ہوا، جس میں کیمپ بند کر دینے کے احکام تحریر تھے۔ ساتھ ہی حکم عدولی کی صورت میں قانونی کارروائی کرنے کی بھی دھمکی دی گئی۔

وفد کی تشکیل اور راجا نصر اللہ اے۔ ڈی۔ سی سے ملاقات:

محکمۂ صحت کے اس حکم نامے سے شہر بھر میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ چنانچہ فوری طور پر ضلع کے حاکم اعلیٰ ڈپٹی کمشنر کو ملنے کے لیے معززین شہر کا ایک وفد ترتیب دیا گیا، جس میں جماعتی اکابر بھی شریک تھے۔ یہ وفد مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھا:

۱۔ شیخ محمد یعقوب صاحب، صدر مجلس احرار اسلام ضلع ملتان
۲۔ شیخ تاج محمد صاحب لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام ملتان شہر
۳۔ چودھری نواب علی صاحب، نائب صدر مجلس احرار اسلام ملتان شہر
۴۔ حافظ احمد دین صاحب، ناظم نشر و اشاعت مجلس احرار اسلام ملتان شہر
۵۔ شیخ محمد یعقوب صاحب ہوشیار پوری
۶۔ حکیم انور علی شاہ صاحب
۷۔ آغا محمود علی صاحب ایڈووکیٹ
۸۔ شیخ قمر الدین صاحب لدھیانوی

جب معززین شہر کا یہ وفد اس حکم نامے کے بارے میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ بات کرنے کی غرض سے ضلع

کچہری پہنچا تو معلوم ہوا کہ صاحب بہادر، شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وفد جناب راجا نصر اللہ صاحب اے۔ ڈی۔ سی۔ سے ملا اور محکمۂ صحت کی شکایت کرتے ہوئے، اس حکم نامے کے بارے میں بتایا جس کے تحت احرار کیمپ کو بند کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ جناب راجہ صاحب نے بڑے تحمل کے ساتھ وفد کی باتوں کو سنا اور بڑے ہمدردانہ لہجہ میں فرمایا کہ:

''میں نے پورے شہر میں امدادی کاموں کا جائزہ لیا ہے اور اسی سلسلہ میں تین مرتبہ اچانک احرار طبی امدادی کیمپ کا معائنہ بھی کر چکا ہوں، میں بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں نے احرار کیمپ میں کیے جانے والے ہر کام کو معیاری پایا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ پورے شہر میں احرار طبی امدادی کیمپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا ادارہ کام نہیں کر رہا تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں، محکمہ صحت والے مزید کارروائی کریں تو مجھے اطلاع دیں''۔

جناب راجا صاحب کی اس یقین دہانی سے اراکینِ وفد کی ڈھارس بندھی، لیکن بعد میں پھر ایک حکم نامے کے ذریعے خطرناک مریضوں کو کیمپ میں رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ کیمپ کے ارباب بست وکشاد کو کام جاری رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ اجازت چیئرمین میونسپل کمیٹی سے ملاقات کے بعد حاصل کی گئی۔ یہ ملاقات بھی ایک وفد کے ساتھ ہوئی جس میں جماعتی اور غیر جماعتی افراد بھی شامل تھے۔ چنانچہ جماعت احرار نے حکومت کے فیصلوں کے مطابق اپنے کام کو جاری رکھا اور اس طرح عوام کی خدمت کا ایک اہم قومی، ملکی، انسانی فریضہ سرانجام دیا جو متواتر چالیس روز تک جاری رہا۔

دوسرے امدادی کیمپ (لکڑ منڈی) کا اجراء:

کیمپ کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے جن جماعتی دوستوں نے بڑی ہمت وشجاعت کے ساتھ کام کیا ہے، اُن میں چودھری نواب علی صاحب، نائب صدر مجلس احرار اسلام ملتان شہر، جناب شیخ قمر الدین صاحب لدھیانوی (یاد رہے کہ آپ احرار کے پرانے مخلص اور بہادر کارکن ہیں، جو فسادات بہار کے موقع پر تاریخی احرار امدادی جیش میں شامل تھے، جو اُس وقت آفت زدہ علاقہ میں مسلمانوں کی جانیں بچانے، انھیں محفوظ کرنے اور اُن کی خدمت پر مامور تھا۔ جماعت کی طرف سے اس دستے کی قیادت قائد احرار حضرت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور محترم ماسٹر تاج الدین لدھیانوی کے سپرد تھی)، صوفی نذیر احمد، رفیق احمد وبشیر احمد صاحب نور محلی، کریم اللہ امرتسری، نثار احمد، والے، حسین اختر لدھیانوی، ابن امیر شریعت مولانا حافظ سید عطاء المحسن شاہ بخاری وحافظ سید عطاء المؤمن شاہ بخاری، جناب تاج محمد صاحب لدھیانوی، صدر مجلس احرار ملتان شہر، جناب خواجہ عبدالرشید صاحب ملتان، خلیفہ محمد یعقوب صاحب جالندھری، حافظ محمد شفیع صاحب بندوقوں والے، شیخ انعام الٰہی، عزیز نثار احمد، نصر اللہ، حاجی مشتاق احمد صاحب (تاج الیکٹرک سنٹر والے)، عزیز محمد اسماعیل فرزند مستری دین محمد صاحب امرتسری مرحوم، شیخ ہدایت اللہ نور محلی، شیخ عبدالحمید صاحب جالندھری، ظہیر احمد صاحب، شیخ نذیر احمد صاحب چوہان (گوجرانوالہ) اور ماسٹر محمد صدیق صاحب ٹیلر خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ چودھری نواب علی صاحب اور شیخ قمر الدین صاحب خاص طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں، جنھوں نے دن رات اپنے آپ کو کیمپ کے لیے وقف کر کے اپنے خلوص اور ملکی وملّی محبت کا ثبوت بہم پہنچایا۔ حقیقت ہے کہ جس جانفشانی سے آپ نے محنت کی ہے، اس سے پوری جماعت کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے کہ اب بھی ہماری جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو ہر قسم کی قربانی پیش کر کے جماعتی روایات کو

برقرار رکھنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ان کے بعد نوجوانوں میں سے صوفی نذیر احمد و رفیق احمد نور محلی، نثار احمد (مہاجر ریاست جیند) اور حسین اختر نے بھی جس جانفشانی سے کام کیا ہے، وہ بھی قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ ان کے علاوہ ہم مخلص نوجوان کارکن عزیز شیخ محمد یوسف صاحب بٹالوی و محترم جناب شیخ محمد یعقوب صاحب جالندھری، صدر مجلس احرار اسلام ضلع ملتان کے بالخصوص اور شیخ ہدایت اللہ صاحب نور محلی و شیخ عبدالحمید صاحب جالندھری کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے حسب توفیق مالی امداد مہیا کر کے جماعت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جماعت اُن کی اس قربانی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

ہماری لیے یہ بات انتہائی حوصلہ افزائی اور باعثِ صد مسرت و انبساط ہے کہ جماعتی دوستوں کے علاوہ بعض صاحب درد، مخلص اور محبت وطن غیر جماعتی دوستوں نے بھی بڑے خلوص کے ساتھ اس کارِ خیر میں ہماری مدد فرمائی ہے۔ انھوں نے عوام سے رابطہ قائم کر کے کیمپ کی افادیت کے پیش نظر ایک خطیر رقم جماعت کے سپرد کی۔ ان حضرات میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مہاجرین رہتک کے مقتدر نمائندہ اور مسلم لیگ کے سرگرم اور مشہور کارکن جناب شیخ نور محمد صاحب، جناب حاجی عمر دین صاحب، جناب بھیکو صاحب اور جناب صوفی نذیر احمد صاحب جھجّر والے۔

مجلس احرار اسلام ملتان اس کارِ خیر میں اُن کے پرخلوص اور غیر متوقع تعاون کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ انھوں نے جماعتی تعصّبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے جماعت کی اس دینی اور قومی خدمت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے مالی امداد فرمائی۔ یقیناً اُن کی اس امداد سے ہماری کامیابی کی راہیں صاف ہوئیں۔ خدا اُن کا حامی و ناصر ہو اور اُن کے اس نیک کام کو اُن کی بخشش کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے اور آئندہ بھی ہر موقع پر جماعت کے ساتھ والے، درمے، سخنے، قدمے ہر قسم کے تعاون کی توفیق عطا فرمائے...... آمین۔

ہم اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کریں گے، اگر ہم جمعیت العلماء اسلام کے مخلص کارکن اور معتمد ملتان شہر، جناب شیخ محمد یعقوب صاحب ہوشیار پوری کا شکریہ ادا نہ کریں، جنھوں نے ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کر کے خدمتِ خلق کے اس عظیم کام کو کامیابی سے ہم کنار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ حتیٰ کہ اُن کے بیٹے کے الم ناک موت بھی انھیں، دکھی انسانیت کی خدمت سے باز نہ رکھ سکی، بلکہ اس سخت صدمہ کے باوجود وہ ہمارے ساتھ کام میں پہلے ہی کی طرح مصروف رہے۔ خدا اُن کی اس نیکی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

کام کا اندازہ:

احرار طبی امدادی کیمپ ۱۸/اپریل سے ۲۸/مئی ۱۹۶۸ء تک اپنا فرض سرانجام دیتا رہا۔ اسی دوران میں شہری ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے، نیز ایک کیمپ کے کام کو پورے شہر کے لیے کم جانتے ہوئے، جماعت احرار نے ۲۲/اپریل ۱۹۶۸ء کو ایک دوسرا کیمپ لکڑ منڈی کے مقام پر کھول دیا۔ تا کہ وہ وباء کی شدت کا بہتر طور پر مقابلہ کر کے زیادہ سے زیادہ افراد کو طبی امداد بہم پہنچائی جا سکے۔ چالیس روز میں ان دونوں کیمپوں سے پندرہ ہزار چھے سو پچاسی افراد نے فائدہ اٹھایا۔ ان میں کئی مریض ایسے بھی تھے جن پر تین سو روپیہ خرچ ہو گیا لیکن الحمدللہ کہ سب مریض شفایاب ہو کر گئے۔ کسی مریض کی موت کیمپ میں نہیں ہوئی، لوگ مایوس اور ناامید ہو کر آتے تھے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے صحت یاب اور خوش و

خرم ہو کر جاتے۔ یہ سعادت صرف احرار کیمپ کے حصے میں آئی کہ جب شہر بھر میں ایک قیامت برپا تھی، لوگ بڑی تعداد میں دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے مایوس ہو کر مریض سینکڑوں کی تعداد میں احرار کیمپ کی طرف رجوع کر رہے تھے، تو اس افراتفری کے عالم میں آنے والے جاں بلب مریضوں میں سے بھی کسی ایک متنفس کا کیمپ کے اندر انتقال نہیں ہوا، بلکہ کیمپ سے شفایاب ہو کر جانے والے مریضوں میں سے بھی ہماری مصدقہ اور حیرت انگیز اطلاعات کے مطابق اس مرض کی شدت یا عود کرنے سے کوئی شخص جاں بحق نہیں ہوا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ چالیس روز تک شہریوں کی طرف سے موصول ہونے والی اور کیمپ کی طرف سے خرید کی ہوئی ادویہ نیز خطرناک مریضوں پر خرچ ہونے والی رقم اور کیمپ کے دوسرے اخراجات کا محتاط تخمینہ پینتیس ہزار روپے سے چالیس ہزار روپے تک پہنچتا ہے۔

آخری تقریب اور مولانا عبیداللہ احرار کا خطاب:

کیمپ کے اختتام پر مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۶۸ء کو مجلس احرار اسلام ملتان نے ڈاکٹر صاحبان کی مخلصانہ اور فی سبیل اللہ قومی خدمت سے متاثر ہو کر انھیں ہدیۂ تشکر پیش کرنے کی لیے ایک محفل عصرانہ ترتیب دی۔ کام کی اہمیت اور موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر صدر مرکزیہ قائد محترم جناب مولانا عبیداللہ احرار کو لائل پور سے بطور خاص مدعو کیا گیا۔ حضرت ابن امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، ناظم مرکزیہ نے اپنے دستِ مبارک سے ڈاکٹر عبداللطیف صاحب امرتسری، انچارج کیمپ عثمانیہ مارکیٹ و ڈاکٹر بشیر احمد صاحب انچارج کیمپ لکڑ منڈی کو طلائی ہار پہنائے۔ نیز انھیں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مترجمہ قرآن کے نسخے اور تاریخ احرار سمیت جماعتی مطبوعات کا ایک ایک سیٹ، اسلامی تحفہ اور برمحل ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ ناظم مرکزیہ جناب سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، اس موقع پر ملتانی حکام کی پرانی روایات کے مطابق زبان بندی کی وجہ سے سامعین کو خطاب نہ کر سکے، لیکن یہ کسر صدر مرکزیہ نے پوری کردی۔ آپ نے معززین شہر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''احرار کے بہادر اور جیالے نوجوانو! میں تمھیں اس کارنامے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ تم نے اپنے ماضی کی یاد تازہ کردی، اس کیمپ کے حالات سن کر مجھے ۱۹۳۵ء کا وہ احرار کیمپ یاد آ گیا، جو ہماری جماعت نے کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلے سے متاثر ہونے والے افراد کی خدمت کے لیے لگایا تھا۔ جماعت کے اس کام سے متاثر ہو کر جب حکومت نے جماعت احرار کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ احرار جب بھی کوئی ایسا کام کرتے ہیں تو اُن کے سامنے حکومت کے شکریے نہیں، بلکہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔ جماعت احرار کے لیے یہ پہلا موقع نہیں ہے، بلکہ اس سے پیشتر بھی وہ اس قسم کے کارنامے سرانجام دیتی رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی قوم کے دکھ میں پوری طرح شریک ہو کر اُن کے کام آنے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں نیک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت عطا فرمائے، آمین''۔

صدر مرکزیہ کے خطاب سے پہلے ڈاکٹر صاحبان کی خدمت میں مولانا رحمت اللہ مہاجر نے سپاس نامہ پیش کیا اور حافظ احمد الدین صاحب نے کیمپ کی کارگزاری پر رپورٹ پڑھی، جس کے بعد مدعوین کی چائے سے تواضع کی گئی۔ آخر میں سید ابوذر بخاری کے دعائیہ کلمات کے بعد یہ تقریب بہ احسن طریق اختتام پذیر ہوئی۔ (جاری ہے)

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام: مسنون لباس مصنف: مولانا حافظ سید لیاقت علی شاہ نقشبندی **ناشر**: مکتبہ غفوریہ، نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ، بی بلاک، سندھی مسلم سوسائٹی کراچی۔ ضخامت: ۴۶۴ صفحات قیمت: درج نہیں

اسلام کا ایک امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے۔ اس میں دنیا کی جامعیت بھی ہے اور زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل رہنمائی بھی۔ جس طرح یہ ایک نظامِ عبادت ہے، اسی طرح ایک نظامِ زندگی اور دستور العمل بھی ہے۔ اس نظام زندگی میں سیاست ومعیشت سے لے کر تہذیب وتمدن اور معاشرت تک سارے ہی معاملات کے لیے ہدایات اور تعلیمات دی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ لباس کے آداب اور احکام بھی شریعت اسلامیہ کے بیان کردہ ہیں اور لباس کے معاملہ میں بھی شرعی حدود وقیود کا اہتمام ہر مسلمان پر فرض ہے۔

لباس کی وضع قطع، تہذیب کے اہم ترین مسائل میں سے ہے، کہ اس سے کسی قوم یا کسی مذہب کے ماننے والوں کا تشخص قائم ہوتا ہے اور برقرار رہتا ہے۔ اسلام ایسا لباس متعارف کراتا ہے جو ستر وحجاب کی تعلیمات کے عین مطابق ہو، جبکہ اس کے برعکس دنیا کی دیگر تہذیبوں کی طرح مغرب بھی ایک ایسا لباس لے کر آتا ہے جو اس کے فلسفۂ حیات کے ماتحت ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب ''مسنون لباس'' لباس ہی کے احکام ومسائل اور آداب پر مشتمل ہے۔ جس میں صحیح اسلامی لباس کی تعلیمات کے بارے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں موضوع کے حوالے سے معتمد اور مستند معلومات مہیا کر کے ایک خلا کو پورا کیا گیا ہے۔ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے اور آخری باب میں چند ضمنی اور اہم مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں بطور خاص دور حاضر کے لباس کے متعلق بعض اہم فتاویٰ شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب مکمل باحوالہ اور تخریج شدہ ہے۔ اللہ پاک فاضل مصنف کی اس محنت کو قبول فرمائیں۔ (مبصر: حافظ اخلاق احمد)

اخبارُالاحرار

14ویں سالانہ شہداءِ ختم نبوت کانفرنس، دارِ بنی ہاشم ملتان

رپورٹ: ملک محمد قاسم

ماہِ مارچ ہمیں 1953ء کے اُن عظیم دس ہزار شہدائے کرام کی یاد دلاتا ہے، جنھوں نے اپنی زندگیوں کا نذرانہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر پیش کیا، ان شہداء کا خون ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ بات اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ہوتو جان کا سودا ستا ہے۔ ان شہداء کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے مختلف شہروں میں مختلف مجالس کا انعقاد کیا گیا۔ الحمدللہ! بفضلِ خدا، اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مجلس احرار اسلام پاکستان کی جانب سے بھی دارِ بنی ہاشم ملتان میں 14ویں سالانہ شہدائے ختم نبوت کا انعقاد کیا گیا، جس میں مختلف مکاتیبِ فکر کے علماء، زعماء نے شرکت کی۔

7 مارچ بروز جمعرات بعد نماز مغرب مجلس کا باقاعدہ آغاز ہوا، کانفرس کی صدارت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ صاحب مدظلہٗ نے کی۔ کانفرنس کا آغاز تلاوت کلام سے کیا گیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے گئے۔ طلباء جنھوں نے قرآن پاک حفظ کرنے کا شرف حاصل کیا، ان کی دستار بندی کی گئی۔ کانفرنس سے خطاب میں حضرت پیر جی مدظلہٗ نے فرمایا ''عقیدہ ختمِ نبوّت کے خلاف ابھرنے والی ہر سازش کو ناکام بنائیں گے۔ شہداءِ ختمِ نبوت کی قربانیوں کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا، عقیدہ ختمِ نبوّت کا تحفظ ہمارا ذریعہ نجات ہے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان نے ہر محاذ پر حق کا بول بالا کیا۔ ہمارے معاشرے میں ان مساجد، مدارس کی برکت سے اسلام زندہ ہے''۔

امیر مجلس احرار اسلام ملتان، مولانا محمد اکمل صاحب نے کہا کہ جب تک احرار کا ایک کارکن بھی زندہ ہے، عقیدۂ ختمِ نبوّت پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ عقیدہ ختم نبوت، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجلس احرار اسلام ہر محاذ پر منکرینِ ختمِ نبوت کا دفاع کرے گی۔

سید عطاء اللہ شاہ ثالث بخاری مدظلہٗ نے فرمایا کہ ختمِ نبوّت کے شہداء کی یاد میں اس کانفرنس کا منعقد ہونا، اس مبارک عقیدے سے اہلِ ایمان کی وابستگی اور محبت کا زندہ ثبوت ہے۔ امیر شریعتؒ نے اپنی ساری زندگی ختمِ نبوّت کے محاذ پر لگا دی اور اپنے بعد جماعت احرار اسلام کی آنے والی نسلوں کو اس کا ذمہ سونپا ہے۔ یہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے اور ذریعہ نجات ہے۔ انھوں کہا کہ اس بدترین فتنے سے ہماری نوجوان نسل کو آگاہ کیا جائے اور اس فتنے کی سازشیں بے نقاب کی جائیں۔

عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوت کے ناظمِ اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری نے کہا کہ مجلس احرار اسلام روزِ اوّل سے حق اور سچ کی داعی جماعت اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہونے والی جماعت ہے۔ 1953ء کی تحریک ختمِ نبوت مجلس احرار اسلام کا طرہ امتیاز ہے، انھوں نے فرمایا کہ سب سے بدترین فرقہ، منکرینِ ختمِ نبوت (قادیانیت) کا ہے۔

حضرت مولانا ناصرالدین خاکوانی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ عقیدہ ختمِ نبوت تکمیلِ دین کا دوسرا عنوان ہے۔ ہماری ہدایت کا طریقہ کار صرف اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہی ہوسکتا ہے، تمام انبیاءِ کرام اور سابقہ آسمانی کتب میں بھی

اطلاع دی گئی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ دین صرف تین باتوں کا نام ہے: (۱) خدا کی ذات (توحید)۔ (۲) آخرت (۳) منصبِ ختمِ نبوت خلافت آدم کا اصل منشا ہے۔

مرکزی جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام پاکستان، جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ 1953ء قادیانی استبداد سے مقابلہ کرنے والے نہتے مگر نشہ عشق محمد سے سرشار مسلمانوں کی داستانِ سرفروشی کا سال ہے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے قادیانیوں کو للکارا تو منصبِ ختمِ نبوت کے تحفظ کی قسم کھائی اور سب کچھ قربان کیا۔ قادیانی روزِ اوّل سے مسلمان اور پاکستان کے دشمن ہیں۔

نائب امیر مجلس احرار اسلام، سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ قادیانیت کا روزِ اوّل سے مسئلہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار رہے۔ یہ مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کرنا ہے۔ قادیانیوں کو پاکستان کے آئینی، قانونی اور قومی فورم پر متحد ہو کر اقلیت قرار دیا گیا، لیکن یہ آئین پاکستان کو نہیں مانتے، بھارت اور اسرائیل پاکستان کے دشمن ہیں، جبکہ قادیانیوں کے ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں، ان کے تنظیمی مراکز بھارت اور اسرائیل میں کھے عام موجود اور فعال ہیں۔ انھوں نے پاکستان کے تمام صاحبِ اقتدار لوگوں مطالبہ کیا کہ قادیانی خفیہ تنظیموں کو فری میسن تنظیم کی طرح کالعدم قرار دیا جائے۔ قادیانی پاکستان کے آئین، پارلیمنٹ اور نظریاتی سرحدوں کے باغی ہیں، ان کو بے نقاب کیا جائے۔

اس کانفرنس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے غیور مسلمانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ کانفرنس کا اختتام سید محمد کفیل بخاری کی جانب سے ملکی سلامتی اور مجلس احرار اسلام کے عقیدہ ختمِ نبوت پر مستحکم رہنے کی دعا کے ساتھ ہوا۔

☆......☆......☆

ملتان (15 مارچ 2019) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے نیوزی لینڈ کی دو مساجد پر نماز جمعہ کے موقع پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ صلیبی دہشت گردوں کے حملے نے مغرب کے انسانی حقوق کے پروپیگنڈے کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، انہوں نے کہا کہ چالیس سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کی شہادت ظلم وسفا کی کا بدترین واقعہ ہے۔ وہ آج دار بنی ہاشم میں احرار کارکنوں سے گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے کہا کہ نائن الیون کے خودساختہ واقعے کے بعد ایک منظّم منصوبہ بندی کے تحت مغرب مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر انہیں مسلسل ظلم وستم کا نشانہ بناتا چلا آ رہا ہے، حالانکہ دہشت گردی مغرب کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لبرل انتہا پسند اور سیکولر فاشسٹ مغرب میں اسلام کی مقبولیت سے خوف زدہ ہو کر اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں اور دہشت گردی کی بزدلانہ کارروائیوں پر اتر آئے ہیں۔

سید کفیل بخاری نے کہا کہ اسلام امن وسلامتی کا دین اور مسلمان دنیا میں امن کے پیغام بر ہیں، صلیبی انتہا پسند مغرب میں اسلام کو پھیلنے سے نہیں روک سکتے، اسلام ہی انسانیت کی فطرت اور صدائے حق ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں دبا سکتی۔

انھوں نے کہا کہ شہداء کے لیے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعاوں کا خاص اہتمام کریں، یہ پوری امت

مسلمہ کا دکھ اور صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ تمام شہدا کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تلہ گنگ (19 مارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ برائے آزادئ مذاہب وعقائد کی پاکستان میں قادیانیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے متعلق رپورٹ کو مسترد کر دیا ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ رپورٹ سراسر گمراہ کن ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔ سید محمد کفیل بخاری تین روزہ فہم ختم نبوت کورس کی اختتامی نشست سے مسجد سیدنا ابوبکر صدیق تلہ گنگ میں خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی آئین میں متعینہ اپنی حیثیت کو ماننے سے مسلسل انکاری ہیں اور خود کو اقلیت تصور نہیں کرتے، مگر اکثریت کے حقوق کو غصب کر رہے ہیں اور اس کے باوجود وہ بیرونی ایجنڈے کے مطابق اپنی نام نہاد مظلومیت کا رونا رو کر پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کرنے میں مصروف ہیں۔ سید محمد کفیل بخاری کا کہنا تھا کہ پاکستان کو جن معاشی بحرانوں کا سامنا ہے، ان کے پس پردہ قادیانی لابی کا مذموم پراپیگنڈا ہے، جس کی بدولت وہ بیرونی قوتوں پر اثر انداز ہو کر پاکستان کو کڑی شرائط کے ذریعے بے دست و پا کرنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔ سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ موجودہ نازک حالات کا تقاضا ہے کہ جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کا بھی خاص خیال رکھا جائے۔ انہوں نے کہ قادیانیت، اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔ مسلمانوں کو فتنہ قادیانیت سے خبردار کرنا اور اُن کے ایمانوں کی حفاظت کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ جبکہ قادیانیوں کو اسلام کی دعوت ہماری پہلی ترجیح ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجلس احرار اسلام نے فہم ختم نبوت کورس کو مہم کے طور پر ملک بھر میں شروع کر دیا ہے۔ پیغام ختم نبوت کو تحریکی بنیاد پر گھر گھر پہنچایا جائے گا اور عقیدۂ ختم نبوت سے آگاہی کے لیے مساجد میں صدا بلند کی جائے گی۔ انہوں نے ہدایت کی کہ مجلس احرار اسلام کے مبلغین اور کارکن پیغام ختم نبوت مہم کو تیز کر دیں، تاکہ مسلمانوں کے ایمان کو باطل نظریات وعقائد کے مسموم اثرات سے محفوظ کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں ختم نبوت کورس سے ڈاکٹر محمد آصف ناظم دعوت وارشاد شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام، مولانا مفتی محمد معاذ، مولانا تنویر الحسن، ڈاکٹر عمر فاروق احرار، مولانا محمد ضیاء الحق اور مولانا عتیق الرحمٰن علوی نے بھی خطاب کیا۔

ملتان (22 مارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے مدنی مسجد جامعہ رحمانیہ سراجیہ میاں چنوں میں نماز جمعۃ المبارک سے قبل شہداء ختم نبوت مارچ 1953ء کی یاد میں منعقدہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ تحریک ختم نبوت 1953ء میں شہید ہونے والے دس ہزار فرزند اسلام نے اپنے مقدس خون کا نذرانہ پیش کر کے پاکستان کو قادیانی ریاست بننے سے بچایا اور وطن عزیز کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کا دفاع کیا انہوں نے کہا کہ یہ انہی شہداء کے خون کا صدقہ ہے کہ لاہوری وقادیانی مرزائی 1974ء میں پارلیمنٹ کے فلور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ منصب رسالت کا دفاع جنت میں جانے کا راستہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ تحریک ختم نبوت کے پہلے شہید سیدنا حبیب ابن زید انصاریؓ ہیں انہوں نے شہادت تو قبول کر لی لیکن مسیلمہ کذاب کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔

انہوں نے کہا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب کے قلع قمع کے لیے حضرات صحابہ کرامؓ کا لشکر روانہ کیا اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ ارتداد کو ان کے انجام تک پہنچایا۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ قرآنی وآسمانی تعلیمات کے تابع ہو جائیں اور اپنی اگلی نسلوں کو دین اور عقیدہ ختم نبوت سے روشناس کرائیں۔ بعدازاں مولانا عطاء الحق کی ضیافت میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نیوزی لینڈ اور مغرب میں مسلمانوں پر حملے سیکولر انتہاپسندی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے حملے اسلام کی پھیلتی ہوئی تعلیمات کو روک نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں عبداللطیف خالد چیمہ نے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی گاڑی پر حملے کو دین ووطن دشمن عناصر کی کاروائی قرار دیتے ہوئے اس کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ انہوں نے کہا ہے کہ حکمرانوں کی مدارس اور علماء دشمنی میں اس قسم کے واقعات رونما ہو رہے ہیں حکمران مدارس اور مساجد کے خلاف جو زبان استعمال کر رہے ہیں اس کا منفی نتیجہ ہے کہ اس قسم کے دلخراش واقعات سامنے آ رہے ہیں۔

ملتان (23 مارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے کہا ہے کہ علماء اور مسلمان پوری دنیا میں دہشت گردی کا شکار ہیں ان کو دہشتگرد کہنے والے خود دہشتگردی کے معاون ہیں۔ ملتان سے لاہور جاتے ہوئے چیچہ وطنی میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ سے ملاقات اور مشاورت کے بعد اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کے قافلے پر حملے کے ملزموں کو پکڑنے یا سزا دینے کی بجائے بچانے کی کوشش کی جائے گی اور کچھ عرصے کے بعد اس اندوہناک واقعے کو داخل دفتر کر کے سرد خانے کی نظر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اہل حق کے تمام طبقات کو مل بیٹھ کر کوئی مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کی ضرورت ہے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ 23 مارچ کا دن ہمیں تحریک پاکستان میں دی جانے والی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے انہوں نے کہا کہ قرارداد پاکستان سے لیکر قرارداد مقاصد تک ایک پوری تاریخ ہے جو ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم قیام ملک کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے سنجیدہ ہو جائیں، انہوں نے کہا کہ مصور پاکستان اور بانی پاکستان کی فکر کے مطابق جب تک اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہ ہوگا امن قائم نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لیے تمام مکاتب فکر نے جو 23 نکاتی دستوری خاکہ طے کیا تھا اس کو دوبارہ بنیاد بنا کر اسلامائزیشن کی جدوجہد کو ازسر نو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ سید محمد کفیل بخاری اور عبداللطیف خالد چیمہ نے جمعیت علماء اسلام کی طرف سے 31 مارچ کو سرگودھا میں تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت ملین مارچ کا اعلان کیا ہے۔

42 سال تک قادیانی قبضے میں رہنے والی ''مسجد یمامہ'' میں ختم نبوت کانفرنس

رپورٹ: حافظ محمد سلیم شاہ

مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے دفتر کے کارکن اور میڈیا کے ذمہ دار ہونے کے ناطے مجھے مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ کے ساتھ اکثر سفر کرنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں جو میرے لئے ایک اعزاز کی بات ہے اس دوران مجھے بہت کچھ سیکھنے کے لیے ملتا ہے 16/ مارچ بروز ہفتہ کو قائد آباد (خوشاب) کے قریب چک نمبر 2-TDA (مٹھہ ٹوانہ) کی جامع مسجد یمامہ،، جو تقریباً 42 سال سے قادیانیوں کے جبری تسلط میں رہی کی

واگزاری کو تین سال مکمل ہونے پر وہاں ختم نبوت کانفرنس جس کا اعلان 3 / مارچ کو انتقال کر جانے والے بابا سید اطہر حسین شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ خود کر گئے تھے، ان کے صاحبزادے سید علی اطہر شاہ بخاری کی میزبانی میں منعقد ہوئی۔

جناب رانا قمر الاسلام اور راقم الحروف چیمہ صاحب کی معیت میں دوپہر سے قبل پروگرام کے مطابق جامعہ سعدیہ جوہر آباد پہنچ گئے جہاں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماء مفتی زاہد محمود سراپا انتظار تھے، خطیب احرار مولانا تنویر الحسن، اور خوشاب سے مولانا عدنان حذیفہ بھی ہمارے قافلہ میں شامل ہو گئے، اور ہم کھانا کھانے کے بعد جامعہ ابو ہریرہ ھڈالی پہنچے جہاں جے یو آئی خوشاب کے سابق امیر قاری محمد سلیم کے ہاں چائے پینے کے بعد قبل از ظہر مسجد یمامہ پہنچ گئے، گہما گہمی دیکھ کر مجاہدِ ختم نبوت مرحوم سید اطہر حسین شاہ کی یادیں تازہ ہونے لگیں، سب حضرات نے سید علی اطہر شاہ بخاری، ابوالحسن اطہر شاہ بخاری، اور دیگر احباب سے مجاہد ختم نبوت سید اطہر حسین شاہ کی تعزیت و دعائے مغفرت کے بعد ضروری مشورہ بھی کیا کہ ان کے انتقال کے بعد قادیانیت کے اثر ورسوخ والے اس علاقے میں کام کیسے کرنا ہے۔

کانفرنس شروع ہوئی تو مفتی زاہد محمود نے افتتاحی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس علاقے میں قادیانی سازشیں بے نقاب کرنے پر سید اطہر حسین شاہ مرحوم کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ مرد مجاہد ڈٹا رہا، مولانا تنویر الحسن احرار نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے استیصال کے لیئے تمام مکاتب فکر ایک پیج پر ہیں اور گولڑوی صاحب مرحوم کے جرأت مندانہ کردار کو ان شاء اللہ تعالیٰ جاری و ساری رکھا جائے گا، جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ ملکی سلامتی کے خلاف قادیانی نیٹ ورک کا فوری سدباب کیا جائے انہوں نے کہا کہ 3 سال قبل ایک طویل قانونی و عدالتی جنگ لڑ کے تحریک ختم نبوت کے بزرگ رہنما بابا سید اطہر حسین شاہ گولڑوی نے مسجد کو قادیانیوں کے قبضہ سے واگزار کرایا اور تحریک ختم نبوت آج اس فیصلے کا تیسرا جشن منارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی ترجمان سلیم الدین نے کہا ہے کہ ''1974ء کی قرارداد اقلیت کو بائی فورس منظور کرایا گیا تھا''۔ سلیم الدین کی یہ بات سراسر خلاف واقعہ اور آئین اور ریاست سے بغاوت کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ وفاقی وزیر پیر نور الحق قادری نے کہا ہے کہ ''آئین میں قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں اور ان کو اقلیت ہی تصور کیا جاتا ہے''۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے اس پر کہا کہ وزیر مذہبی امور یہ بھی بتائیں کہ جن کو آپ اقلیت کہہ رہے ہیں کیا وہ اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم بھی کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ سید اطہر حسین شاہ گولڑوی نے زندگی بھر قادیانیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور عدالتی و قانونی چارہ جوئی کے ذریعے قادیانیوں کو ہمیشہ شکست دیتے رہے، مولانا ضیاء اللہ سیالوی (کراچی)، قاری محمد ریاض (لاہور)، عرفان محمود برق (لاہور)، چیئرمین قائد آباد حاجی احمد، ملک عمر دراز جوئیہ، رانا اکبر محمود، رانا محمد سلیم، پیر شمس العارفین شاہ ہمدانی، قاری محمد باسط، حافظ محمد عثمان سیالوی، قاری محمد سلیم، مولانا عدنان حذیفہ اور دیگر حضرات نے شرکت و خطاب کیا۔

مقررین نے کہا کہ قادیانی اپنے کفر کو اسلام کا نام دے کر پھیلاتے ہیں جو ارتداد اور زندقہ کی ذیل میں آتا ہے ،مقررین نے کہا کہ حکومت عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستارہی ہے اور گستاخانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچارہی ہے۔ کانفرنس کی قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے ،مساجد سے مشابہت رکھنے والی

قادیانی عبادت گاہوں کی ہیئت تبدیل کی جائے، امتناع قادیانیت ایکٹ پر موثر عمل درآمد کرایا جائے، قادیانی جماعت کو خلاف قانون قرار دے کر ان کے دفاتر سیل اور فنڈز ضبط کیے جائیں، سودی معیشت کا خاتمہ کر کے اسلامی معیشت کو رائج کیا جائے، ربوہ کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں اور 295-C میں کسی قسم کی ترمیم نہ کی جائے۔ مقررین نے سید اطہر شاہ بخاری کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ یہ مسجد ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔ اللہ پاک ان کے ورثاء کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ختم نبوت کے محاذ پر قادیانیوں کے خلاف مضبوطی سے کھڑے رہنے کی ہمت عطاء فرمائے۔

مجاہد ختم نبوت غازی سید اطہر حسین شاہ گولڑوی مرحوم ومغفور کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ تخت ہزارہ تحصیل بلوال ضلع سرگودھا میں مسجد گلزار مدینہ نامی مسجد جو عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس تھی اس پر علاقہ کے بااثر قادیانیوں نے قبضہ کر لیا، جس پر سید اطہر شاہ گولڑوی نے عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے ہائی کورٹ تک عدالت میں قادیانیوں کو شکست سے دوچار کیا، جس پر 10 رنومبر 2000ء کو قادیانیوں نے ان کو اغوا کر لیا اور شدید تشدد کر کے زخمی کر دیا۔ مرزائی کہنے لگے کہ اگر ہماری مخالفت سے باز نہیں آؤ گے تو تمہیں ابھی جان سے مار ڈالتے ہیں۔ شاہ صاحب نے یقین کر لیا کہ ان کا آخری وقت ہے لہٰذا پوری قوت سے ''نعرہ تکبیر'' بلند کیا اور اردگرد آواز پہنچی تو لوگوں نے دیوار توڑ کر انہیں نکالا۔ اگر لوگ بروقت نہ پہنچتے تو مرزائی صف میں لپیٹ کر جلانے لگے تھے، جب لوگ پہنچے تو شدید تشدد کے نتیجے میں وہ جاں بلب تھے، ان کا سر کھلا ہوا تھا، اور دماغ کا کچھ حصہ نکل کر ان کے بالوں میں تھا۔ عوام الناس ان کو فیصل آباد الائیڈ ہسپتال لے گئے جہاں وہ تقریباً ایک ماہ کومے میں رہے، ایک مہینے کے بعد ہوش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندگی عطاء فرمائی بعد ازاں وہ قائد آباد منتقل ہو گئے اور ختم نبوت کے کام کے لیے سرگرم کردار ادا کرنے لگے، یوں کئی معرکے انہوں نے سر کیے، یکم دسمبر 2018ء کو جناب عبداللطیف خالد چیمہ کے دورے کے موقع پر جامعہ سعدیہ جوہر آباد میں کہنے لگے کہ اب میں جانے والا ہوں، تا آنکہ تین مارچ کو یہ قلندر اپنی حسین یادیں چھوڑ کر اللہ کے پاس چلا گیا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ!

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

☆......☆......☆

مسافرانِ آخرت

☆ گڑھا موڑ مجلس احرار اسلام کے کارکن ربنواز سیال کی بھاوج یکم فروری کو انتقال کر گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے سرپرست و سابق امیر صوفی نذیر احمد مرحوم 6/ مارچ کو انتقال فرما گئے۔ نماز جنازہ 7 مارچ کو جامعہ قاسم العلوم گلگشت ملتان میں ادا کی گئی جس میں قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، سید محمد کفیل بخاری، سید عطاء اللہ ثالث بخاری، سید عطاء المنان بخاری، مولانا محمد اکمل سمیت مدرسہ معمورہ کے مدرسین، علماء طلباء، کارکنان احرار اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

☆ مرکز احرار جامع مسجد احرار، نیو ماڈل ٹاؤن گجرات کے پڑوسی اور احرار کارکن بھائی محمد افضل 9/ مارچ کو انتقال کر گئے۔

☆ حسن معاویہ ولد علی معاویہ مرحوم بہاولنگر، انتقال: 14/ مارچ

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے مدرس حافظ غلام یسین کے فرزند اور درجہ رابعہ کے طالب علم حافظ محمد عمر فاروق مرحوم طویل علالت کے بعد 16 مارچ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ مدرسہ معمورہ کے تمام اساتذہ و طلباء نے جنازے میں شرکت کی اور اظہار تعزیت کیا۔

☆ تلہ گنگ کے احرار کارکن لالہ شیر خان کی اہلیہ مرحومہ 23/ مارچ کو انتقال کر گئیں

☆ مجلس احرار اسلام بوریوالہ کے امیر صوفی عبدالشکور کے والد حاجی محمد رفیق مرحوم 24 مارچ کو انتقال کر گئے۔ قائد احرار پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری، سید محمد کفیل بخاری نے اظہار تعزیت کیا جبکہ مجلس احرار کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، رانا قمر الاسلام اور مولانا سرفراز معاویہ نے جنازے میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

دعاءِ صحت

- ★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
- ★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب
- ★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب ★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی
- ★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی ★ ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب خان علیل ہیں
- ★ ملتان میں ہمارے کرم فرما محمد عباس صاحب فالج کے مرض میں مبتلا ہیں
- ★ چیچہ وطنی، پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبدالجلیل مدظلہٗ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں
- ★ حضرت مولانا محمد یسین رحمہ اللہ (سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان) کے فرزند حافظ محمد شعیب شدید علیل ہیں
- ★ مدرسہ معمورہ کے مدرس قاری محبوب الرحمٰن کے چچا شدید علیل ہیں
- ★ مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے کارکن جناب ہمایوں کی والدہ شدید علیل ہیں

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مرکزی دفتر: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رمضان المبارک، سراپا رحمت ومغفرت کا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں پر خاص فضل وکرم فرمایا کہ نیکیوں کے حصول، گناہوں سے توبہ، جہنم سے نجات، جنت میں داخلے اور مغفرت و بخشش کا موسم بہار رمضان کی صورت میں عطاء فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے میں روزے رکھنے اور روزوں کا حق اداء کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ رمضان المبارک کو ہمارے لیے دنیا وآخرت کے بہترین منافع کے حصول کا ذریعہ بنائے (آمین)

مجلس احرار اسلام پاکستان گزشتہ 90 سال سے دینی وتعلیمی، دعوتی وتبلیغی اور سماجی وقومی خدمت کے محاذوں پر سرگرم عمل ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق خدمات انجام دے رہی ہے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جماعت عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ، قادیانیت کے محاسبہ وتعاقب، قادیانیوں کو دعوتِ اسلام، دین کی تعلیم واشاعت اور اللہ کی مخلوق کی خدمت جیسے شعبوں میں فعال ومتحرک ہے۔ خاص طور پر شعبہ تعلیم میں اس وقت 15 /مدارس میں دو ہزار سے زائد بچے حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت میں 5 /مبلغین شب و روز دعوت وتبلیغ کی محنت میں مصروف ہیں۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور محاسبۂ قادیانیت کے عنوان پر کئی کتابیں شائع کر کے تقسیم کی جارہی ہیں۔ جبکہ قادیانیوں سمیت دیگر غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام کے نتیجے میں بہت سے قادیانی، عیسائی اور بہائی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور دیگر زیرِ تبلیغ ہیں۔

مدارس کے اساتذہ وطلباء کے جملہ اخراجات اور شعبۂ تبلیغ، دعوت وارشاد کے تحت لٹریچر کی اشاعت، خدام ختم نبوت کی خدمت اور نو مسلموں کی مالی اعانت، مجلس ہی کے ذمہ ہے۔ سالانہ بجٹ تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے اور 1000 من گندم ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ ان دینی کاموں کی انجام دہی کے لیے تعاون فرمائیں۔ اپنی زکوٰۃ وعشر فطرانہ وصدقات اور عطیات مجلس احرار اسلام کو عنایت فرمائیں۔

ترسیلِ زر کے لیے

سید محمد کفیل بخاری

اکاؤنٹ نمبر: 0278-37102053 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

www.ahrar.org.pk / majlisahrar@yahoo.com / +9261- 4511961, +92300-6326621

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲) ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY

کیئر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

24 گھنٹے سروس

اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد، گوجرہ، جڑانوالہ، گوجرانوالہ، سانگلہ ہل، حافظ آباد، چنیوٹ

آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس